

الديوبندية

تعريفها - عقائدها

تأليف
الأستاذ أبي أسامة
سيد طالب الرحمن



دار البحوث الإسلامية

WWW.IRCPK.COM



فہرست

۳۶	تالاب میں دونوں نکلے	۱۹	۷	۱	سبب تالیف
۳۸	غائب رہنا	۲۰	۹	۲	اصلی چہرہ
۳۸	مردے کا مٹھائیاں بانٹنا	۲۱	۱۰	۳	جہاز کو کمر پر اٹھا کر پار لگانا
۴۱	مردے کا ملاقات کے لئے آنا	۲۲	۱۲	۴	شرکین مکہ سے سبقت
۴۲	مردوں کا انتقام	۲۳	۱۸	۵	منہ زور گھوڑے کو غائب کرنا
۴۳	مردے کی عنایت	۲۴	۱۸	۶	مشکل کشائی کا ایک اور انداز
۴۵	قبروں سے فیض	۲۵	۱۹	۷	غوث الاعظم کون؟
۴۶	برزخ میں جھانکنا	۲۶	۲۰	۸	اولیاء --- ستون
۴۷	مردوں کا نہ مرنا	۲۷	۲۰	۹	غرقابی سے بچاؤ
۴۷	قبر سے شفاء	۲۸	۲۳	۱۰	بھولے بھٹکوں کو راہ دکھانا
۴۹	قبروں سے مشکل کشائی	۲۹	۲۴	۱۱	محمود الحسن اور شیطان کا مقابلہ
۵۰	مردے کی گفتگو	۳۰	۲۶	۱۲	عقیدے کی خرابی
۵۱	عقیدہ مشکل کشا	۳۱	۲۸	۱۳	مردے کا میدان مناظرہ میں
۶۳	دیوار یا شیشہ	۳۲		۱۴	آجانا
۶۴	نور کا تار	۳۳	۳۰	۱۵	بہروپیوں کا اصل روپ
۶۵	علم غیب	۳۴	۳۱	۱۶	ایک ہی صف میں کھڑے ہو
۶۷	اصل عقیدہ	۳۵		۱۷	گئے محمود و لیا ز
۷۰	چاند رات	۳۶	۳۴	۱۸	مردے کا فیصلہ

۱۰۰	غیب کا پردہ چاک	۵۸	۷۱	چاند پر کنٹرول	۳۷
۱۰۱	گوگوں کی زبان	۵۹	۷۲	بلاء کا علم	۳۸
۱۰۲	فلم بنی	۶۰	۷۳	علم غیب	۳۹
۱۰۳	جہتی دوزخی کی پہچان	۶۱	۷۵	دنیا پر نظر	۴۰
۱۰۴	اصلی چہرہ	۶۲	۷۵	جنت کا حدود و اربعہ	۴۱
۱۰۵	علم غیب کا کمال	۶۳	۷۶	غیب ہی غیب	۴۲
۱۰۹	جوئوں کی پہچان	۶۴	۷۷	غیبی علم	۴۳
۱۱۰	معدہ عالم الغیب	۶۵	۸۰	ہاتھوں میں ہاتھ	۴۴
۱۱۳	بارش کا علم	۶۶	۸۱	زندگی کا طریقہ	۴۵
۱۱۵	بارش پر کنٹرول	۶۷	۸۱	الہام یا علم غیب	۴۶
۱۱۶	عذاب قبر	۶۸	۸۲	مولود کی تصویر	۴۷
۱۱۷	پہلے کڑوا پھر میٹھا	۶۹	۸۵	مرنے کا علم	۴۸
۱۱۸	دل گئی باز	۷۰	۸۶	موت و حیات پر قبضہ	۴۹
۱۲۰	ادب کا طریقہ	۷۱	۸۸	موت کا علم	۵۰
۱۲۱	دیواریں غائب	۷۲	۸۹	قبر والے کو مرنے کا علم	۵۱
۱۲۲	ننگا مردہ	۷۳	۹۰	دھوکہ	۵۲
۱۲۳	مردے کا مدفن	۷۴	۹۱	نقاب اتارنا	۵۳
۱۲۴	روحوں سے ملاقات	۷۵	۹۲	وسوسوں کے چور	۵۴
۱۲۵	شفاء امام کے ہاں	۷۶	۹۳	دل کا حال معلوم کرنا	۵۵
۱۲۷	حسین احمد شانی	۷۷	۹۸	دلوں کا رابطہ	۵۶
۱۲۹	شفایابی پر قبضہ	۷۸	۹۹	دل پر قبضہ	۵۷

۱۶۱	روشنی اندھیرا	۱۰۰	۱۳۱	عجیب تصرف	۷۹
۱۶۲	ہلنے سے زلزلہ	۱۰۱	۱۳۳	عجیب آپریشن	۸۰
۱۶۳	بادلوں کی چھتری	۱۰۲	۱۳۶	رہبانیت	۸۱
۱۶۴	تقدیر کے کمالات	۱۰۳	۱۳۸	درد کے مزے	۸۲
۱۶۵	علم چھیننا اور دنیا	۱۰۴	۱۳۸	قتل بنی آدم	۸۳
۱۷۰	رانا --- ہسانا	۱۰۵	۱۴۱	ایک اور قتل	۸۴
۱۷۱	ٹا بننے کا دعویٰ	۱۰۶	۱۴۲	قتل ہی قتل	۸۵
۱۷۳	نئے نبی کی اتباع	۱۰۷	۱۴۳	تعویذ کشتہ حیات	۸۶
۱۷۵	توہین نبی	۱۰۸	۱۴۴	وجہ وفات	۸۷
۱۷۵	پُر اسرار دنیا	۱۰۹	۱۴۶	عقیدے کی بنیاد	۸۸
۱۷۷	دیدار الہی	۱۱۰	۱۴۷	صاحب پرواز	۸۹
۱۷۹	نئے کلیم اللہ	۱۱۱	۱۴۸	مکے و مدینے کا چکر	۹۰
۱۸۰	رب کا پیار	۱۱۲	۱۵۰	اصلی چہرہ	۹۱
۱۸۱	قیامت قائم	۱۱۳	۱۵۱	پردہ اٹھتا ہے	۹۲
۱۸۲	نئی معراج	۱۱۴	۱۵۲	رہائی قیدی کی	۹۳
۱۸۳	عرش کے نیچے	۱۱۵	۱۵۳	تعویذ کی برکت	۹۴
۱۸۴	اشرف علی رسول اللہ	۱۱۶	۱۵۴	خدائی کارندے	۹۵
۱۸۵	نبی سے مقابلہ	۱۱۷	۱۵۶	شکل بدلنا	۹۶
۱۸۷	معجزات میں نقل	۱۱۸	۱۵۸	پکڑ دھکڑ	۹۷
۱۸۹	روحوں سے ملاقاتیں	۱۱۹	۱۶۰	توفیق پیر	۹۸
۱۹۰	نبیؐ اور خلفاء کا تشریف لانا	۱۲۰	۱۶۰	تصور شیخ	۹۹

۲۱۶	عبادتِ سابقہ	۱۳۲	۱۹۳	نبیؐ سے امداد اللہ کی بیعت	۱۲۱
۲۱۷	تحریفِ قرآن	۱۳۳	۱۹۳	وفات کے بعد زیارتِ نبیؐ	۱۲۲
۲۱۸	اولیاء میں صفاتِ الہی	۱۳۴	۱۹۵	نبیؐ اشرف علی کے ہم شکل	۱۲۳
۲۱۹	نم باذنی	۱۳۵	۱۹۵	وحدت الوجود اور دیوبندی	۱۲۴
۲۲۰	علماء دیوبند کا عقیدہ	۱۳۶	۲۰۴	حلو اور غلیظ کھانا	۱۲۵
۲۲۳	ابن عربی اور وحدت الوجود	۱۳۷	۲۰۵	تحریفِ قرآن	۱۲۶
۲۲۶	مولانا زکریا اور وحدت الوجود	۱۳۸	۲۰۷	رگ رگ میں خدا	۱۲۷
۲۲۹	شاہ عبدالقادر اور وحدت الوجود	۱۳۹	۲۰۸	کتا --- صاحبِ کمال	۱۲۸
۲۳۰	تبلیغی جماعت اور وحدت الوجود	۱۴۰	۲۰۹	انسان خود خدا	۱۲۹
۲۳۱	اللہ پر زنا کی تہمت	۱۴۱	۲۰۹	پیر خدا اور رسول	۱۳۰
	☆☆☆☆☆		۲۱۳	خدا بیچ اور مخلوق درخت	۱۳۱

سبب تالیف

دیوبندی حضرات کے بارے میں عام اہلحدیث اور اکثر علماء کا بھی یہ نظریہ ہے کہ یہ لوگ موحد ہیں۔ جیسا کہ حکیم محمود صاحب دیوبندیوں کے خلاف ”علمائے دیوبند کا ماضی تاریخ کے آئینے میں“ نامی کتاب لکھتے ہوئے وہ اپنا اور دیوبندیوں کا ماطہ ان الفاظ میں جوڑتے ہیں۔

”آج ہم اور دیوبندی ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ اور الحمد للہ عقائد میں بھی کوئی ایسا بعد نہیں رہا بلکہ ہمارا اور اس مسلک کا مستقبل بھی دونوں کے اتحاد پر موقوف ہے۔“

ایک جگہ لکھتے ہیں:

”اہل توحید کے ماطے سے ایک تعلق موجود ہے اور اختلاف کے باوجود وہ باقی ہے اور رہے گا اور یہی دکھ کی بات ہے۔“

حکیم صاحب کا یہ معذرت خواہانہ رویہ شاید مصلحانہ ہو ورنہ دیوبندیوں کے بارے میں عام اہلحدیثوں کا نظریہ ان کے عقائد سے ناواقفگی کی وجہ سے ہے۔ اسی لئے یہ ان سے رشتہ ماطہ کرنے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے۔

حتیٰ کہ باہمی اختلاف کو فروغی اختلاف گردانتے ہیں لیکن بریلویوں سے رشتہ نہ کرنے یا ان کے پیچھے نمازیں ادا نہ کرنے کی وجہ شرک بتلاتے ہیں۔ اس کتاب کے لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اہلحدیث حضرات کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ جس وجہ سے تم بریلویوں سے نفرت کرتے ہو وہی وجہ دیوبندیوں میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھنا عقل مندی نہیں لہذا دیوبندیوں کے دعوؤں اور تقریروں سے دھوکہ کھا کر ان کو موحد شمار کرنا بے عقلی ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کا مقصد دیوبندیوں کے اصلی چہرے کو بے نقاب کرنا ہے۔ شاید کچھ سادہ اور نا سمجھ لوگ اس

کتاب کی اشاعت کو الہدیت اور دیوبندی حضرات کے درمیان اختلاف کا بیج بونا گردائیں ان حضرات سے ادباً عرض ہے کہ اگر آپ کی محبت و نفرت کے پیمانے اللہ کے لئے ہیں، یعنی ”الحب فی اللہ والبغض فی اللہ“ تو پھر یا تو بریلوی اور شیعہ حضرات کے لئے بھی دل کے دریچوں کو وا کر دیں اور اگر ایسا ممکن نہیں تو انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان افراد سے بھی برأت کا اظہار کریں جو رب کی توحید کو شرک کی ناپاکی سے پلید کرنے کی مذموم کوششوں میں ملوث ہیں لیکن کھل کر سامنے نہیں آتے۔ اسی طرح اس کتاب کی تصنیف کا دوسرا مقصد بھولے بھالے دیوبندی عوام کو خبردار کرنا ہے کہ دیوبندی علماء کی چکنی چڑی باتوں اور توحید کے بلند بانگ دعوؤں سے مرعوب ہو کر ان کی اتباع کر کے کہیں اپنی آخرت برباد نہ کر لیا۔ اگر آپ اس کتاب کو تعصب و حسد کی نظر کی بجائے اصلاح کی نظر سے پڑھیں اور جانچیں گے تو آپ کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ بریلی کی طرح دیوبند کی طرف پیش قدمی بھی رب کے قرب کی بجائے رب سے دوری کا سبب بن رہی ہے، ان راستوں پر شرک و کفر کی گھاٹیاں ہیں جس میں گر کر انسان ایسے عمیق اندھیروں میں گم ہو جاتا ہے کہ ہدایت کی روشنی کا حصول ناممکن نہیں تو کم از کم بے حد مشکل ضرور ہو جاتا ہے۔ شرک کے ان تاریک راستوں پر چلنے کی بجائے کتاب و سنت کے روشن راستوں کو اختیار کریں۔ اور اپنے علماء کے شرکیہ عقائد سے برأت کا اظہار کریں اور اپنے عقیدوں کو کتاب و سنت کی روشنی میں سنواریں نجات کا دار و مدار توحید سے وابستگی اور شرک سے علیحدگی پر ہے۔ ہماری ان معروضات کو ٹھنڈے دل سے پڑھیں۔ اور آخرت کی فکر کریں۔ اللہ ہمیں ہدایت دے اور اپنی توحید کو ہمارے دلوں میں راسخ کر دے۔ تاکہ ہم جہنم کی دھکتی ہوئی آگ سے بچ سکیں۔ آمین

پروفیسر سید طالب الرحمن

اصلی چہرہ

آج کل عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بُری طرح سمائی ہے کہ دیوبندی علماء توحید کے علمبردار ہیں لیکن حقیقت کچھ اور ہے۔ شرک کی جتنی قسمیں بریلویوں میں پائی جاتی ہیں جن پر دیوبندی علماء بڑے برستے اور گرجتے ہیں اس سے زیادہ خود دیوبندی مسلک میں ملتی ہیں۔ عقیدہ وحدۃ الوجود پر یقین رکھ کر یہ اسی صف میں کھڑے ہیں جس میں عزیرؑ کو اللہ کا حصہ بنانے والوں اور عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا بنانے والوں کو آپ کھڑا پاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کی صفات میں اوروں کو شریک کرنے میں یہ لوگ بریلویوں سے دو قدم آگے نظر آتے ہیں۔ آپ ان کے حالات جاننے کے لئے ان کے اپنے حنفی مذہب کے ایک بریلوی مولوی ”علامہ ارشد القادری“ کا تبصرہ ہی کافی پائیں گے۔ وہ لکھتے ہیں:-

”لوگوں کو دیوبندی علماء کی پُر زور تقاریر (جو اللہ کے علاوہ غیب، قدرت و تصرف کے رد میں ہوتی ہیں) اس خوش عقیدگی میں بتلا کر دیں گی کہ یہ لوگ توحید کے سچے علمبردار اور کفر و شرک کے خلاف تبلیغ بے نیام ہیں۔

لیکن آہ میں کن لفظوں میں اس سر بستہ راز کو بے نقاب کروں کہ اس خاموش سطح کے نیچے ایک خوفناک طوفان چھپا ہوا ہے۔ تصویر کے اس رخ کی دل کشی اسی وقت تک باقی ہے جب تک کہ دوسرا رخ نگاہوں سے اوجھل ہے۔ یقین کرتا ہوں کہ پردہ اٹھ جانے کے بعد توحید پرستی کی ساری گرجوشیوں کا ایک آن میں بھرم کھل جائے گا۔ دیوبندی جماعت دراصل مذہبی تاریخ کا سب سے بڑا اور عجیب ظلم فریب ہے ان کی حرکت رہنڈر کے ان ٹھگوں سے کچھ مختلف نہیں جو آنکھوں میں

دھول جھونک کر مسافروں کو لوٹ لیا کرتے ہیں۔

ورنہ اگر خالص توحید کا جذبہ اس کے پس منظر میں کارفرما ہوتا تو شرک کے سوال پر اپنے اور بیگانے کے درمیان قطعاً کوئی تفریق روا نہ رکھی جاتی۔ اسی لئے دیوبندی حضرات کی خود فریبیوں کا جادو توڑنے کیلئے میرے ذہن میں زیرِ نظر کتاب کی ترتیب کا خیال پیدا ہوا کہ اصحاب عقل و دانش واضح طور پر محسوس کر لیں کہ جو لوگ دوسروں پر شرک کا الزام عائد کرتے ہیں اپنے نامہ اعمال کے آئینہ میں وہ خود کتنے بڑے مشرک ہیں اور جب میں نے ان اوراق کو پلٹ دیا اور لوگوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو توحید کی ساری گرما گرمی یک دم سرد پڑ جائے گی۔“ (خلاصہ از زلزلہ)

یہ ہے وہ کام جس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ جس طرح بریلوی شرک کی پلیدی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ دیوبندی بھی اسی پلیدی میں لت پت ہیں یہ الگ بات ہے کہ وہ مانتے نہیں یعنی ایک چور دوسرا چتر والی بات ہے۔ آئیے اب آپ کو ہم اس واوی کی سیر کراتے ہیں جس میں دیوبندی حضرات کے اپنے کفر کے خاردار اشجار اُگے ہوئے ہیں اور وہ اسے دنیا کی نگاہوں سے اوجھل رکھنے کی ناکام سعی کرتے ہیں۔

اشرف علی تھانوی دیوبند کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب کے بارے میں خدائی تصرف کا ایک واقعہ جو خدائی صفات کے اظہار سے بھرپور ہے، بیان فرماتے ہیں:-

جہاز کو کمر پر اٹھا کر پار لگانا

”مولانا اشرف علی تھانوی مولوی نظام الدین صاحب کرانوی سے وہ مولوی

عبداللہ ہراقی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک نہایت معتبر شخص ولایتی بیان کرتے ہیں کہ میرے ایک دوست جو بقیۃ السلف حجۃ الخلف قدوة السالکین زبدۃ العارفین شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب چشتی صابری تھانوی ثم المکی سلمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت تھے، حج خانہ کعبہ کو تشریف لے جاتے تھے بمبئی سے آگبوٹ میں سوار ہوئے آگبوٹ نے چلتے چلتے ٹکر کھائی اور قریب تھا کہ چکر کھا کر غرق ہو جائے یا دوبارہ ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور عرض کیا کہ اس وقت سے زیادہ کون سا وقت امداد کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر کارساز مطلق ہے اسی وقت ان کا آگبوٹ غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی۔ ادھر تو یہ قصہ پیش آیا ادھر اگلے روز مخدوم جہاں اپنے خادم سے بولے ذرا میری کمر تو دباؤ نہایت درد کرتی ہے خادم نے کمر دباتے پیراہن مبارک جو اٹھایا تو دیکھا کہ کمر چھلی ہوئی ہے اور اکثر جگہ سے کھال اتر گئی ہے۔ پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے کمر کیوں کر چھلی فرمایا کچھ نہیں۔ پھر پوچھا، آپ خاموش رہے تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا، حضرت یہ تو کہیں رگڑ لگی ہے اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے۔ فرمایا ایک آگبوٹ ڈوبا جاتا تھا اس میں تمہارا دینی اور سلسلے کا بھائی تھا اس کی گر یہ زاری نے مجھے بے چین کر دیا۔ آگبوٹ کو کمر کا سہارا دے کر اوپر کواٹھایا۔ جب آگے چلا اور بندگانِ خدا کو نجات ملی اسی سے چھل گئی ہوگی اور اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنا۔ (کرامات امدادیہ ص ۳۶)

بالکل اسی قسم کا ایک اور واقعہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی زبانی سنئے۔ یہ حافظ عبد القادر صاحب تھانوی وہ مولانا شیخ محمد صاحب قدس سرہ سے

روایت کرتے ہیں کہ ہم جہاز میں سوار ہو کر حج کو چلے۔ جہاز ہمارا گردشِ طوفان میں آگیا اور چار پانچ روز تک گردش میں رہا۔ محافظانِ جہاز نے بہت تدبیریں کیں، کوئی کارگر نہ ہوئی۔ آخر کار جہاز ڈوبنے لگا۔ ناخدا نے پکار کر کہا کہ لوگ اب اللہ سے دعا مانگیں۔ یہ دعا کا وقت ہے۔ میں اس وقت مراقب ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ ایک حالت طاری ہوئی اور معلوم ہوا کہ اس جہاز کے ایک گوشے کو حافظ محمد ضامن صاحب اور دوسرے کو حاجی صاحب اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے اوپر اٹھائے ہوئے ہیں اور اٹھا کر پانی کے اوپر سیدھا کر دیا اور جہاز بخوبی چلنے لگا۔ تمام لوگ بہت خوش تھے اور جہاز کی سلامتی کا چرچا ہوا۔ میں نے وہ وقت، دن اور تاریخ اور مہینہ کتاب پر لکھ دیا اور بعد حج و زیارت اور طے منازل سفر کے تھانہ میں آ کر اس لکھے ہوئے کو دیکھا اور دریافت کیا۔ اس وقت ایک طالب علم قدرت علی ساکن ایندری ملک پنجاب مرید و خادم حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس نے بیان کیا کہ بے شک فلاں وقت میں حاضر تھا۔ حاجی صاحب حجرے سے باہر تشریف لائے اور اپنی لنگی بھیگی ہوئی مجھ کو دی اور فرمایا اس کو کنویں کے پانی سے دھو کر صاف کر لو۔ اس لنگی کو جب سوئگھا اس میں دریا شور کی بو اور چکنا پن معلوم ہوا۔ اس کے بعد حضرت حافظ صاحب حجرے سے برآمد ہوئے اور اپنی لنگی دی۔ اس میں اثر دریا کا معلوم ہوتا تھا۔ (کرامات امداد یہ ص ۱۲)

مشرکین مکہ سے سبقت لے جانا

اس ایک من گھڑت قصے میں حاجی امداد اللہ صاحب کو حاجت روا مشکل کشا، عالم الغیب اور حاضر ناظر ثابت کیا گیا ہے اور مرید صاحب گمراہی میں مشرکین مکہ

سے بھی سبقت لے گئے اس لئے کہ جب مشرکین مکہ کسی کشتی میں سوار ہوتے اور طوفان آنے کی وجہ سے :

ظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ (یونس: ۲۴)
 انہیں یقین ہو جاتا کہ وہ گھیر لئے گئے ہیں۔ اللہ کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے
 اللہ کو ہی پکارتے۔

لیکن یہاں مرید صاحب کا عقیدہ دیکھئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ مرنے
 کے سوا چارہ نہیں اس مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا
 اور عرض کیا۔

”مشرکین اللہ کو پکاریں اور یہ مرید صاحب پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کریں
 اور عرض کریں۔ یہ عجیب تقسیم ہے۔ اسی لئے عکرمہ بن ابی جہل کا بیٹا مسلمان ہوا کہ
 اے مشرکین مکہ طوفان آنے پر تم صرف اللہ کو پکارتے ہو اور اپنے بنائے ہوئے معبود
 بھول جاتے ہو۔ اگر اللہ نے مجھے نجات دی تو میں خشکی پر بھی اللہ ہی کو پکاروں گا۔
 زمین پر قدم رکھتے ہی اللہ کی توحید کا اعلان کر دیا جیسا کہ قرآن بھی مشرکین مکہ کی
 عادت کا تذکرہ کرتا ہے۔

﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا
 نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾ (العنکبوت: ۲۵)

جب وہ کشتی میں سوار ہوتے تو اللہ کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے
 پکارتے ہیں۔ جب اللہ انہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو ناگاہ وہ شرک کرنے
 لگ جاتے ہیں۔

اور مرید صاحب گمراہی اور ضلالت میں اتنے بڑھے ہوئے ہیں کہ جب کشتی طوفان میں گھر جاتی ہے اور موت سامنے ہوتی ہے تو اللہ کو بھول کر غیر اللہ سے عرض کرنے لگ جاتے ہیں۔ وہ شاید اس لئے کہ تھا نوی صاحب کے بقول ہر قریہ میں ایک قطب ہوتا ہے اور ایک غوث ہوتا ہے بعض نے کہا قطب الاقطاب کو ہی غوث کہتے ہیں۔ (تعلیم الدین ص ۱۲۰)

مرید پھر غوث جو فریاد سن رہا ہوتا ہے اسے نہ پکارتے تو کسے پکارے۔ ایک جگہ اللہ مشرکین مکہ سے یہ سوال کرتا ہے۔

﴿قُلْ مَنْ يُنَجِّكُمْ مَنْ ظَلَمْتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَّئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ☆ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ﴾ (الانعام: ۶۳-۶۴)

اے نبی ان سے پوچھئے کہ تمہیں خشکی اور تری کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے اور تم اسی اللہ کو گڑ گڑا کر اور آہستہ پکارتے ہو کہ اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دے تو ہم ضرور شکر گزار بندے بن جائیں گے۔ اے نبی کہ دیجئے اللہ ہی تمہیں اس مصیبت اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے پھر ناگاہ تم شرک کرنے لگ جاتے ہو۔

اللہ کا تو یہ دعویٰ ہے کہ اللہ نجات دیتا ہے اور مرید کا یہ عقیدہ کہ اے پیر اس سے زیادہ اور کون سا وقت امداد کا ہوگا۔ مشرکین مکہ کی تو یہ عادت ہے کہ وہ اللہ کو پکارتے ہیں اور مرید پیر صاحب کو۔۔۔۔۔ فرق ملاحظہ فرمائیں۔

ایک جگہ اللہ نے مشرکین سے یوں فرمایا:

﴿وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِلَهُهُ فَلَمَّا نَجَّكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا﴾ (بنی اسرائیل: ۶۷)

اور جب تمہیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تمہیں بھول جاتے ہیں پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم پھر جاتے ہو اور انسان ناشکرا ہے۔

مشرکین کو تو سمندر میں غیر اللہ بھول جاتے ہیں صرف اللہ ہی یاد رہتا ہے اور دیوبندی مرید کو سمندر میں غیر اللہ کی یاد ستاتی ہے اور وہ غیر اللہ کو پکارنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ یہ عجیب تقسیم ہے۔ مشرکین کے بارے میں اللہ فرماتا ہے۔

﴿وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوْجٌ كَالظُّلُمِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (لقمان: ۳۲)

اور جب انہیں سائبان کی طرح موج ڈھانپ لیتی ہے تو وہ اللہ کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے اللہ کو پکارتے ہیں۔

ایک جگہ اللہ کافروں سے یہ سوال کرتا ہے اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے۔

﴿أَغْيَرُ اللَّهُ تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ بَلْ إِلَهُهُ تَدْعُونَ ﴿(الانعام: ۴۰)

کیا اس وقت بھی غیر اللہ کو پکارو گے اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو (نہیں) بلکہ تم خاص اللہ کو ہی پکارتے ہو۔

اور تمہاری یہ حالت ہو جاتی ہے۔

﴿وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ﴾ (الانعام: ۴۱)

اور جن کو تم نے اللہ کا شریک بنایا تھا اس کو بھول جاتے ہو۔

لیکن یہاں تو مرید صاحب کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ حاجی امداد اللہ صاحب کو

مشکل کشا حاجت روا مان کر عذاب و طوفان میں بھی غیر اللہ سے یہ عرض کی جاتی ہے ”کہ اس وقت سے زیادہ اور کونسا وقت امداد کا ہوگا۔ حالانکہ اللہ فرماتا ہے:

﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ﴾ (النمل: ۶۲)

آیا کون ہے جو مصیبت زدہ کی پکار کو سنتا ہے جس وقت وہ اسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے۔

پھر خود ہی جواب دیتا ہے۔

﴿أَوَلَمْ يَكُنْ لِلَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ﴾ (النمل: ۶۲)

(کیا اب بھی یہی کہو گے کہ) اللہ کے علاوہ کوئی اور الہ ہے تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو۔

اب مرید صاحب جن کو پکار رہے ہیں۔ کیا ان میں مصیبت دور کرنے کی طاقت ہے حالانکہ اللہ فرماتا ہے۔

﴿فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضَّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا﴾ (الاسراء: ۵۶)

وہ تو اتنا اختیار بھی نہیں رکھتے کہ تم سے مصیبت کو ہٹا دیں یا پھیر دیں۔

لیکن ذرا پیر صاحب کی جسارت ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں ”ایک آگبوٹ ڈوبا جاتا تھا۔ اس میں ایک تمہارا دینی سلسلے کا بھائی تھا۔ اس کی گریہ وزاری نے مجھے بے چین کر دیا۔“ اس لئے انڈیا سے چلے سمندر میں اکیلے یا حافظ ضامن کے ساتھ مل کر جہاز کو اٹھا کر سیدھا کر دیا۔ اگر اتنا بھاری جہاز اٹھا کر سیدھا کرنا اتنا ہی آسان تھا تو جہاز کے مسافر ہی اسے کاندھا دے کر ڈوبنے سے بچا لیتے۔

اسی طرح حاجی صاحب کو عالم الغیب ثابت کیا گیا ہے کہ اتنی دور سے گریہ

وزاری سُن لی۔

اسی طرح حاجی صاحب کو ہر جگہ حاضر ناظر بنا دیا گیا کہ بغیر کسی ذریعے کے بیچ سمندر کے پہنچ کر واپس تھانہ بھون تشریف لے آتے ہیں جب کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی جیسا کہ ایک خادم کہتا ہے ”آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاصلے اور ذرائع ان کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔“ جہاز کو ڈوبنے سے بچانے والے واقعہ پر ایک بریلوی عالم کا بھی تبصرہ سنتے جانیے جنہیں یہ مشرک کے نام سے پکارتے ہیں۔

”قبیلے کے شیخ کی غیبی قوت، ادراک اور خدائی اختیار کا یہ حال کہ ہزاروں میل کی مسافت سے دل کی زبان کا خاموش استغاثہ سُن لیا اور سن ہی نہیں لیا بلکہ فوراً ہی یہ بھی معلوم کر لیا کہ سمندر کی ما پیدا کنار و سعتوں میں حادثہ کہاں پیش آیا ہے اور پھر مدد کرنے کیلئے وہاں پہنچے اور طوفان سے جہاز کو نکال لائے۔ یہاں مانگنا بھی ہوا اور پکارنا بھی شرک در شرک کے جمع ہو جانے کے باوجود تو حید پر ان حضرات کی اجارہ داری ختم نہیں ہوئی۔ یا تو شرک کا مفہوم بدل دیجئے یا اپنی راہ کو، دورنگی جائز نہیں۔ دو طرح کی شریعتیں چلانا کیا عقلمندی ہے، ایک عقیدہ جو پہلی شریعت میں کفر شرک اور ناممکن اور دوسری شریعت میں اسلام ایمان اور امر واقعہ بن جائے۔ (خلاصہ از زلزلہ)

ہم تو صرف یہی کہہ سکتے ہیں تلک اذا قِسْمَةُ ضِیْرَی

کہیں تو سمندر کے بیچوں بیچ ڈوبتے جہاز کو بچاتے ہیں اور مرید ”ان“ سے فریاد کرتے ہیں اور یہاں خشکی میں بھی اللہ کی بجائے پیر و مرشد کا خیال آتا ہے اور پیر و مرشد کا خیال آتے ہی پیر صاحب پلک جھپکنے میں مشکل کشائی کر کے غائب ہو جاتے ہیں جیسا کہ اللہ کا انداز ہے ”و ما امرنا الا واحدة کلمع بالبصر“

منہ زور گھوڑے کو غائب کرنا

بالی زندگی مولوی بازار کے ایک صاحب آزادی سے قبل ڈھاکہ سے شیلانگ بذریعہ موٹر جا رہے تھے۔ صوبہ آسام کا اکثر حصہ پہاڑی ہے۔ اس میں موٹر یا بس چلنے کا جو راستہ ہے وہ بہت تنگ ہے۔ فقط ایک گاڑی جا سکتی ہے دو کی گنجائش نہیں۔ یہ صاحب حضرت کے مرید تھے۔ جب نصف راستہ طے ہو گیا تو دیکھا سامنے سے ایک گھوڑا بڑے زوروں سے آرہا ہے۔ اس شخص اور دیگر تمام حضرات کو خطرہ پیدا ہوا کہ اب کیا ہو گیا، موٹر روک لی۔ لیکن اس کے باوجود بھی بڑی تشویش تھی کیونکہ گھوڑا بلا سوار بڑی تیزی سے دوڑا آرہا تھا۔ روای کا کہنا ہے کہ اس شخص نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر پیر و مرشد ہوتے دعا کرتے۔ ابھی اتنا سوچا ہی تھا کہ حضرت شیخ گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہیں غائب ہو گئے۔ (انفاس قدسیہ ۱۸۶)

سینکڑوں میل کی دوری سے دل میں آنے والی سوچ کو سنا ہی نہیں بلکہ معلوم کر کے کہ مرید کو کسی جگہ پر ضرورت پیر ہے وہاں پلک جھپکنے میں پہنچ کر منہ زور گھوڑے کی لگام پکڑ غائب ہو جانا کہ کہیں مرید کو حادثہ پیش نہ آجائے مشکل کشائی نہیں تو اس کو کیا نام دو گے؟ (تہرہ از ارشد القادری مصنف ”زلزلہ“)

لگے ہاتھوں اس سے بھی عجیب و غریب واقعہ سن لیجئے اور عقیدہ توحید کا خون ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجئے۔

مشکل کشائی کا ایک اور انداز

پچھلے دونوں واقعات میں مشکل کشا بنفس نفیس تشریف لے جا کر جہاز کو پانی

کی گہرائیوں میں ڈوبنے سے بچاتے رہے۔ یہاں حاجی امداد اللہ صاحب کے عقیدہ حاجت روائی کا ایک نیا انداز ملاحظہ فرمائیے۔ حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”ایک دن حضرت غوث الاعظم سات اولیاء اللہ کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ناگاہ نظر بصیرت سے ملاحظہ فرمایا کہ ایک جہاز قریب غرق ہونے کے ہے۔ آپ نے ہمت و توجہ باطنی سے اس کو غرق ہونے سے بچا لیا۔ (شائم امداد یہ حصہ دوم ص ۴۳) دیکھا آپ نے کیا انداز ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔

﴿وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (البقرہ: ۱۱۷)

جب ہم کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے کہتے ہیں ہو جا وہ ہو جاتا ہے۔ اور یہاں بھی پیر صاحب نہ کہیں آئے نہ گئے۔ نہ جہاز کو سہارا دیا نہ زور لگایا صرف ”نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں“ پر عمل کیا اور کس والی صفت کا اظہار کیا۔ اس بات سے قطع نظر حاجی امداد اللہ صاحب پیران پیر عبد القادر جیلانی کو غوث الاعظم یعنی (سب سے بڑا فریادرس، مددگار) کہہ کر تذکرہ کرتے ہیں اور شرک کی اسی بیماری میں اشرف علی تھانوی بھی حاجی صاحب کے شریک ہیں۔ ایک واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

غوث الاعظم کون؟

”اور مجھ کو حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خوشی یاد آگئی“ (ابواب ثلاثہ ص ۱۳۳) اس بات کا فیصلہ آپ خود کیجئے کہ غوث الاعظم اللہ ہے یا بندہ۔ جیسا کہ اللہ فرماتا ہے۔

﴿ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ ۝ ثُمَّ إِذَا كُشِفَ الضُّرُّ عَنْكُمْ إِذَا

فَرِيقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٥٣﴾ (آمل: ٥٣-٥٢)

پھر جب تم کو تکلیف پہنچتی ہے تو تم اس کے آگے فریاد کرتے ہو تو جب وہ تم سے تکلیف دور کر دیتا ہے تو تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتا ہے۔

اللہ کے سوا مددگار اور فریاد سننے والا کوئی نہیں جیسا کہ اللہ فرماتا ہے۔

﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ﴾ (الزلزل: ٦٢)

کون ہے جو بے چین کی پکار کو سننے جب کہ وہ اسے پکارے اور اس سے تکلیف دور کرے۔

دیوبندی حضرات کے ہاں یہ لوگ مشکل کشا ہیں کیونکہ یہ اولیاء اللہ ہیں اور اولیاء اللہ کے بارے میں دیوبندیوں کا یہ عقیدہ ہے جیسا کہ حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

اولیاء - ستون

”اولیاء اللہ عالم کے د عالم ہیں یعنی ستون۔ (شائم امدادیہ حصہ دوم ص ۵۵)
جیسے چھت کو ستون کا سہارا دے کر گرنے سے بچا لیتے ہیں اسی طرح اولیاء اللہ دنیا کو سہارا دے کر تباہ و برباد ہونے سے بچاتے ہیں۔ اسی لئے تو انہیں غوث الاعظم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔

غرقابی سے بچاؤ

”مولوی محمد بمیہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک صاحب تھانہ بھون کے رہنے والے

دہلی میں کسی مجذوب کے پاس دنا کے لئے حاضر ہوئے تو اس نے کہا کہ تھانہ بھون ابھی تک غرق نہیں ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت میں تو دنا کے واسطے حاضر ہوا ہوں اور آپ بددنا فرما رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تھانہ بھون اب تک ضرور غرق ہو جاتا مگر وہاں دو شخص ہیں ایک مردہ ایک زندہ۔ ایک تو شاہ ولایت صاحب وہاں لیٹے ہوئے ہیں (ان بزرگ کا مزار تھانہ بھون میں ہے) اور ایک مولانا اشرف علی صاحب ان دونوں کی برکت سے تھما ہوا ہے ورنہ ضرور غرق ہو جاتا۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۴۱۳)

دیوبندیوں کے نزدیک شہر مردے کے مزار اور زندہ کے گھر کی وجہ سے غرق نہیں ہوتا ورنہ ضرور غرق ہو جاتا اور اللہ کے نزدیک شہروں کی سلامتی کس چیز پر مبنی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ

أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّن بَعْدِهِ﴾ (فاطر: ۴)

بے شک اللہ تعالیٰ زمین اور آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹیں اور اگر اپنی جگہ چھوڑ دیں اللہ کے علاوہ کوئی ان کو تھامنے والا ہے۔

اللہ کے تھامنے سے شہر بچے ہوئے ہیں ورنہ کوئی ان کو بچانے والا نہیں ہے۔ سوچنے کا مقام ہے کہ دیوبندیوں کے نزدیک شہر اس لئے غرق نہیں ہوتا کہ وہاں ایک مردہ کا مزار ہے اور ایک زندہ شخص ”اشرف علی تھانوی“ کا ڈیرہ ہے ورنہ ضرور غرق ہو جاتا اور اللہ کے ہاں کسی شہر کو غرق ہونے سے نہ مردہ بچا سکتا ہے نہ زندہ۔ (ہاں اللہ کے رسولؐ کی ذاتِ مستغنیٰ ہے) جب کہ ان میں یہ خرابی آجائے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

﴿وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ﴾ (قصص: ۵۹)

ترجمہ: ہم کسی بستی کو تباہ و برباد نہیں کرتے مگر جب اس کے رہنے والے ظالم ہو جاتے ہیں۔

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِیُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ﴾ (هود: ۱۱۷)

ترجمہ: تیرا رب کسی بستی کو ظلم سے تباہ نہیں کرنا (اس حال میں) کہ اس کے باسی اصلاح کرنے والے ہوں۔

اب تھانہ بھون میں اگر ظالم تھے تو اللہ اس کو تباہ کر دیتا کیونکہ وہ ”ولایخاف عقبہا“ اس کے انجام سے ڈرتا نہیں نہ اسے مردہ ڈرائے اور نہ زندہ اور اگر اس بستی کے رہنے والے اصلاح کرنے والے ہیں تو اللہ اسے تباہ نہیں کرنے والا۔ یہ مردہ زندہ کا کیا چکر؟ صرف یہی ہے کہ لوگ اللہ کے علاوہ ان کو بھی مشکل کشا، دنیا کو سہارا دینے والا اور تابعی اور بربادی سے بچانے والا تسلیم کریں اور پھر ان کو ہی پکاریں کیونکہ وہ ان کو راستوں کے اندھیروں سے بچانے والے وہی شیطان سے نجات دلانے والے وہی مشکل وقت میں آنے والے جیسا کہ آگے آنے والے واقعات سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے۔ قرآن کی اس آیت۔

﴿أَمَّنْ یَّهْدِیْکُمْ فِی ظُلُمَۃِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ﴾ (زلزلہ: ۶۳)

کون ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں راستہ دکھاتا ہے۔
کے خلاف عقیدہ حضرات بریلوی تو یہ کہتے ہیں کہ حضرت خضرؑ بھولے بھٹکے مسافروں کو جنگلوں اور دریاؤں میں راہ دکھلاتے ہیں دیوبندی ان کی اس بات کو تو شرکیہ سمجھتے ہیں لیکن اپنے مولوی صاحب کی اس قسم کی بات اسلام و ایمان کا درجہ

رکھتی ہے۔ درسِ حیات کے مصنف اپنے استاد اور اپنی جماعت کے مخدوم بزرگ کا تصرف کبریائی والا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

بھولے بھٹکوں کو راہ لگانا

”کہ ایک پنڈت مرہدِ کامل کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ اچانک کسی مجذوب عورت سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے گڑھول کا پتہ دیا کہ وہاں تیرے درد کا درماں ہے۔ پنڈت کے سفر کا حال مصنف درسِ حیات کی زبانی سنئے۔

دوپہر کا وقت تھا اور گرمی کا زمانہ جو گیارہ سٹیشن سے پیدل گڑھول جا رہے تھے۔ گرمی کے دونوں میں دوپہر کے وقت لوگ عموماً گھروں کے اندر پناہ لئے ہوتے ہیں باہر راستے میں چلتے ہوئے لوگ نہیں ملتے۔ یہ کئی جگہ راستہ بھولے اور ہر جگہ ایک ہی صورت کے ایک ہی شخص نے ظاہر ہو کر راستہ بتلادیا۔ جب گڑھول پہنچے حضرت کے جمالِ جہاں آرا پر نگاہ پڑی تو دیکھا کہ یہ تو وہی ہیں۔ بے اختیار عرض کیا بادشاہ میرے حال پر رحم کیجئے اور مجھ کو رستہ بتلایئے۔ حضرت نے پوچھا کیا بات ہے کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا گڑھول آتے ہوئے جہاں کہیں رستہ بھولا تو بادشاہ آپ نے ظاہر ہو کر راستہ بتلایا۔ اب آپ پوچھتے ہیں کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ آپ کو سب معلوم ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ (درسِ حیات ص ۳۰۰)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے حضرت کو غیب دان مان لیا ہے ورنہ انہیں کیسے علم ہوا کہ ایک جوگی میری خانقاہ کا راستہ بھول گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے پنڈت کی ایک ایک حرکت دیکھ رہے ہیں یا پنڈت کے ساتھ ہیں کہ جہاں رستے کی مشکل پڑی فوراً کشائی کر دی ورنہ وہ کونسی

براق کی طرح تیز رفتار سواری تھی کہ چشم زدن میں مسافر کے پاس بھی اور اپنے دربار میں بھی اور پھر جب پنڈت نے سابقہ تجربات کی بنا پر یہ دعویٰ کیا کہ آپ کو سب کچھ معلوم ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ حضرت جی نے رسماً بھی یہ نہیں کہا کہ اسلام میں کسی مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا شرک ہے۔ یہ خدا کا خاصہ ہے اور ہم بریلویوں کو اسی لئے تو مشرک کہتے ہیں کہ انہوں نے غیر اللہ کے حق میں اس قسم کا عقیدہ تسلیم کیا ہوا ہے۔

لیجئے عقیدہ توحید سے متصادم اور شرک سے لبریز ایک اور واقعہ سینے جس میں ایک شخص روحانی تعارف سے شاگرد کی مدد فرما کر شیطان کو مار بھگاتے ہیں۔

محمود الحسن اور شیطان کا مقابلہ

حیات شیخ الہند کے مصنف لکھتے ہیں ”۱۳۳۲ء کے آخر میں دیوبند میں شدید طاعون ہوا۔ چند طلباء بھی مبتلا ہوئے ایک فارغ التحصیل طالب علم محمد صالح جو صبح شام میں سند فراغت لے کر وطن رخصت ہونے والے تھے۔ اس مرض میں مبتلا ہوئے اور حالت آخری ہو گئی۔ وفات سے کسی قدر پہلے انہوں نے ایسی گفتگو شروع کی کہ کويا شیطان سے مناظرہ کر رہے ہیں۔ اس کے دلائل کو توڑتے اور اپنے استدلال پیش کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے مناظرے میں شیطان کو بخوبی شکست دے دی۔ پھر کہنے لگے افسوس اس جگہ کوئی ایسا خدا کا بندہ نہیں ہے جو مجھ سے اس خبیث کو دفع کرے یہ کہتے کہتے دفعۃً بول اٹھے کہ واہ سبحان اللہ۔ دیکھو میرے استاد حضرت مولانا محمود الحسن صاحب تشریف لائے۔ دیکھو وہ شیطان بھاگا۔ ارے خبیث کہاں جاتا ہے۔ ایک ساعت کے بعد طالب علم کا انتقال ہو گیا۔

حضرت مولانا اس واقعے کے وقت وہاں موجود نہ تھے مگر روحانی تصرف سے امداد فرمائی۔ (حیات شیخ الہند ص ۱۹۷)

کہا جاسکتا تھا کہ جان کنی کے موقع پر منہ سے عجیب و غریب باتیں نکلتی ہیں کیونکہ مرنے والا پورے ہوش و حواس میں نہیں ہوتا لیکن راوی کے اس فقرے نے ”کہ حضرت مولانا اس واقعے کے وقت وہاں موجود نہ تھے مگر روحانی تصرف سے امداد فرمائی۔“ واقعے کو درست تسلیم کر کے غیب سے روحانی مدد کے ذریعے مشکل کشائی کے عقیدے پر مہر ثبت کر دی اور یہ نہ سوچا کہ ہم مخالفین کے اس اعتراض کو کیسے رفع کریں گے کہ محمود الحسن صاحب کو اس بات کا علم کیسے ہو گیا کہ ایک طالب علم جان کنی کے موقع پر شیطان سے مناظرہ کر رہا ہے اور مشکل میں ہے اور پھر وہ چشم زدن میں شیطان کو مار بھگانے کے لئے طالب علم کے سر ہانے کیسے پہنچ گئے انہوں نے تصرف کی کون سی طاقت کا استعمال کیا اور اس مخلوق کو کیسے دیکھ لیا جب کہ وہاں موجود افراد اس کو دیکھنے سے قاصر تھے۔ ان باتوں کا کوئی جواب ہے؟ ورنہ بقول بریلویوں کے اپنے مولوی میں اتنے اختیارات ماننے کے باوجود نہ تو عقیدہ توحید مجروح ہوا اور نہ کتاب و سنت سے کوئی تصادم لازم آیا اور اگر یہی عقیدہ ہم کسی نبی کے بارے میں رکھیں تو یہ دیوبند کے نام نہاد موحدین ہماری جان و ایمان کے ورپے ہو جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا واقعہ کی تشریح میں ذرا اشرف علی تھانوی صاحب کا بیان پرہیز۔
 ”کوئی روح اپنا بدن حالت حیات میں چھوڑ کر دوسرے مردے کے بدن میں چلی جائے تو یہ بات ریاضت سے حاصل ہو سکتی ہے۔“ (تعلیم الدین ص ۱۱۸)
 مشکل کشائی کے اس قسم کے واقعات نے مریدین کا عقیدہ اتنا پختہ کر دیا ہے

کہ اس بات کے باوجود کہ پیر انکاری ہے کہ میں نے فلاں موقع پر تمہاری مدد نہیں کی۔ میری شکل میں اللہ نے کسی کو امداد کے لئے بھیج دیا ہو گا لیکن مرید اسے انکساری یا جھوٹ پر محمول کرتے رہے۔

لیجئے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے مرید کا بیان ملاحظہ فرمائیے۔

عقیدے کی خرابی

مصنف اشرف السوانح لکھتے ہیں کہ ”عرصہ دراز ہوا ایک صاحب نے خود احقر سے یہیں خانقاہ میں بایں عنوان اپنا واقعہ بیان کیا کہ کو دیکھنے میں تو حضرت والا یہاں بیٹھے ہوئے ہیں لیکن کیا خبر اس وقت کہاں پر ہوں۔ کیونکہ میں ایک بار خود حضرت والا کو باوجود کہ تھانہ بھون میں ہونے کے، علی گڑھ میں دیکھ چکا ہوں جب کہ وہاں نمائش تھی اور اس کے اندر سخت آگ لگی ہوئی تھی۔ میں بھی اس نمائش میں اپنی دکان لے گیا تھا۔

جس روز آگ لگنے والی تھی اس روز خلاف معمول عصری کے وقت سے میرے قلب کے اندر ایک وحشت سی پیدا ہونے لگی تھی۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ باوجود اس کے اصل بکری کا وقت وہی تھا۔ لیکن میں نے اپنی دوکان کا سارا ساز و سامان قبل از وقت ہی سمیٹ کر بکسوں میں بھرنا شروع کر دیا۔ جب بعد مغرب آگ لگنے کا شور و غل ہوا تو چونکہ میں اکیلا ہی تھا اور بکس بھی بھاری تھے۔ اس لئے میں سخت پریشان ہوا کہ یا اللہ دکان سے باہر کیونکر لے جاؤں۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ دفعۃً حضرت والا نمودار ہوئے اور بکسوں میں سے ایک ایک بکس کے پاس تشریف لے جا کر فرمایا کہ جلدی سے اٹھاؤ۔ چنانچہ اس طرف سے تو انہوں نے بکس کو اٹھایا اور

دوسری طرف سے میں نے اٹھایا۔ اسی طرح تھوڑی دیر میں ایک ایک کر کے سارے بکس باہر رکھوا دیئے۔ اس آگ سے اور دوکانداروں کا تو بہت نقصان ہوا لیکن بفضلہ تعالیٰ میرا سارا سامان بچ گیا۔ اس واقعہ کو سن کر احقر نے اس سے پوچھا کہ آپ نے حضرت والا سے یہ نہ دریافت کیا کہ آپ یہاں کہاں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اجی پوچھنے گچھنے کا اس وقت ہوش ہی کہاں تھا میں تو اپنی پریشانی میں مبتلا تھا۔ (اشرف السوانح ۴/۷۱)

مرید صاحب نے یہ بات نہ سوچی کہ آج تک تو ہم بریلویوں کے سینے پر مونگ دلتے رہے اور انہیں طعنے دیتے رہے کہ نبی کا وجود ایک ہے اور بیک وقت کئی محفل میلاد منعقد کرنے پر کس طرح آپؐ ہر جگہ پہنچ سکتے ہیں اور آج اپنے حضرت کے بارے میں یہ بات منہ سے نکل رہی ہے کہ ”کو دیکھنے میں تو حضرت والا یہاں بیٹھے ہوئے ہیں لیکن کیا خبر اس وقت کہاں پر ہوں۔“ جب ہی تو بریلوی مولوی ارشد القادری صاحب یہ کہتے ہیں ایک ہی بات رسول کونین ﷺ کے حق میں تو کفر ہے شرک ہے ناممکن ہے لیکن اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں اسلام ہے ایمان ہے اور امر واقعہ ہے۔“ یہ کیسی منافقت ہے؟

اور پھر مرید صاحب کے ذہن سے یہ بات بھی نکل گئی کہ نظروں سے اوجھل کسی واقعہ کو بغیر سبب کے معلوم کر لیا بلکہ قبل از وقت معلوم کر لیا ہی نبی قوت ہے جو غیر اللہ میں تسلیم کر لیا شرک ہے اور اس واقعہ میں پیر تھانہ بھون میں ہے اور علی گڑھ میں ہونے والے حادثہ کو قبل از وقت معلوم کر لیتا ہے۔ کیا یہی توحید ہے اور پھر بجلی کے کوندے کی طرح وہاں پہنچ کر مصیبت زدہ مرید کی مدد کرنا کیا غیر اللہ کے اختیار میں ماننا ہی ان کے ہاں اسلام و ایمان کی شرط ہے۔

یہ تو آپ نے زندہ لوگوں کی حاجت برداری ملاحظہ فرمائی۔ ذرا مردوں کی مشکل

کشتائی کا انداز بھی دیکھتے چلے:-

مردے کا میدانِ مناظرہ میں آ جانا

سوانحِ قاسمی کے مصنف ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ

”ایک بریلوی عالم اور ایک دیوبندی طالب علم کا مناظرہ طے ہوا۔ دیوبندی طالب علم نے مناظرے کا وعدہ ڈرتے ڈرتے کر لیا۔ تاریخ و حمل و مقام سب کا مسئلہ طے ہو گیا۔ واعظ مولانا صاحب ”بڑا زبردست عمامہ طویلہ و عریضہ سر پر لپیٹے ہوئے کتابوں کے پشتارے کے ساتھ مجلس میں اپنے حواریوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوئے۔ ادھر یہ غریب دیوبندی امام منحنی و ضعیف مسکین شکل، مسکین آواز، خوفزدہ لرزاں و ترساں بھی اللہ اللہ کرتے ہوئے سامنے آیا۔ سننے کی بات یہی ہے جو اس دیوبندی امام نے مشاہدہ کے بعد بیان کی۔ کہتے تھے کہ مولانا واعظ صاحب کے سامنے میں بھی بیٹھ گیا۔ ابھی گفتگو شروع نہیں ہوئی تھی کہ اچانک اپنے بازو میں مجھے محسوس ہوا کہ ایک شخص اور جسے میں نہیں پہچانتا تھا وہ بھی آ کر بیٹھ گیا ہے اور مجھ سے وہ اجنبی اچانک نمودار ہونے والی شخصیت کہتی ہے، گفتگو شروع کرو اور ہرگز نہ ڈرو۔ دل میں غیر معمولی قوت اس سے پیدا ہوئی اس کے بعد کیا ہوا دیوبندی امام صاحب کا بیان سنئے۔

کہ میری زبان سے کچھ فقرے نکل رہے تھے اور اس طور پر نکل رہے تھے کہ میں خود نہیں جانتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہوں جس کا جواب مولانا واعظ صاحب نے ابتداء میں تو دیا لیکن سوال و جواب کا سلسلہ ابھی دراز بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک دفعہ مولانا واعظ صاحب کو دیکھتا ہوں کہ اٹھ کھڑے ہوئے میرے قدموں پر سر ڈالے ہوئے رو

رہے ہیں۔ پگڑی بکھری ہوئی ہے اور کہتے جاتے ہیں میں نہیں جانتا تھا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہیں اللہ مجھے معاف کیجئے آپ جو کچھ فرما رہے ہیں یہی صحیح اور درست ہے۔ میں ہی غلطی پر تھا۔ یہ منظر ہی ایسا تھا کہ مجمع دم بخود تھا کیا سوچ کر آیا تھا اور کیا دیکھ رہا تھا۔ دیوبندی امام نے کہا اچانک نمودار ہونے والی شخصیت میری نظر سے اس کے بعد اوجھل ہو گئی اور کچھ نہیں معلوم کہ کون تھے اور قصہ کیا تھا۔ قصہ تو ختم ہو گیا۔ قصبہ کے مسلمان جو پہلے ہی سے دیوبندی امام صاحب کے معتقد تھے ان کے عقیدتمندوں میں اس واقعہ نے چار چاند لگا دیئے اور پہلے سے بھی زیادہ راحت و آرام میں دیوبندی امام صاحب کے اضافہ ہو گیا۔ حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں میں نے ان مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ اچانک نمودار ہو کر غائب ہو جانے والی شخصیت کا حلیہ کیا تھا۔ حلیہ جو بیان کیا فرماتے تھے کہ سنتا جاتا تھا اور حضرت الاستاد کا ایک ایک خال و خد نظر کے سامنے آتا چلا جا رہا تھا۔

جب وہ بیان ختم کر چکے تو میں نے ان سے کہا کہ یہ تو حضرت الاستاد رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جو تمہاری امداد کیلئے حق تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوئے۔ (سورخ ٹاٹی جلد ۱ ص ۳۳۱)

تارنیں! ذرا غور فرمائیے اس ایک ہی واقعہ میں شرکیہ عقائد کے انبار لگا دیئے ہیں۔

۱۔ زند تو زندہ رہ گئے اس مردہ کے بارے میں جس کو مرے مدت ہو گئی اور جسے منوں مٹی کے نیچے دفن کر دیا گیا اور جس کے بارے میں قرآن کا یہ فیصلہ ہو گیا۔ ﴿أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ (النمل: ۴۱) یہ مردہ ہیں زندہ نہیں اور ان کو تو اپنے اٹھائے جانے کا بھی علم نہیں۔

اسکے بارے میں اس عقیدے کا برملا اقرار کر لیا گیا کہ اس نے عالم برزخ میں اپنی نبی قوت سے یہ معلوم کر لیا۔ ایک غریب علم سے کورا، دیوبندی، خوفزدہ امام، منحنی وضعیف، مسکین شکل، مسکین آواز، لرزاں وترساں، میدانِ مناظرہ میں بے دست و پا ہے چل کر اسے حوصلہ دینا چاہیے تا کہ اسکے دل میں غیر معمولی قوت پیدا ہو۔ یہ کس شریعت کا مسئلہ ہے کہ ایک مردہ اپنے جسم ظاہری کے ساتھ اپنی قبر سے نکل کر جہاں دل چاہے جاسکتا ہے اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ حالانکہ اللہ فرماتا ہے۔

﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ (الزمر : ۴۲)

اللہ مرنے والے اور جس پر ابھی موت نہیں آئی بلکہ حالت نیند میں ہے کی روحوں کو قبض کر لیتا ہے۔ پس جس پر موت آگئی اس کی روح کو ایک مقررہ مدت (قیامت) تک کے لئے روک لیتا ہے اور دوسرے کی روح کو واپس بھیج دیتا ہے۔

بہروپیوں کا اصل رُوپ

ذرا علماء دیوبند کا روح کے لوٹنے اور تصرف کرنے کے بارے میں نظریہ سن لیں فرماتے ہیں مومن کی روح خاص کر اولیائے حق اور صلحائے امت کی روحوں جسم سے جدائی کے بعد اس عالم مادی میں تصرف کی قدرت رکھتی ہیں اور ان ارواح کا تصرف قانون کے مطابق ہوتا ہے۔

(اہل اللہ کی عظمت علمائے دیوبند کی نظر میں از اخلاق حسین قاسمی صدر جمعیت علماء صوبہ دہلی)

اسی طرح فتاویٰ امدادیہ میں ہے۔

استمداد اور ارواح مشائخ سے صاحب کشف الارواح کے لئے قسم ثابت ہے۔ (۱۰۴/۴)
روح کا اس جسم میں اس طرح لوٹنا کہ انسان قبر پھاڑ کر باہر نکل کر آجائے اور
پھر زندوں کی مشکل کشائی کر کے واپس قبر میں داخل ہو کر خود ہی قبر درست کر لیا
کہاں آیا ہے آج تک عام لوگوں نے یہی سنا ہے کہ دیوبندی مردوں سے مدد لینے
کے قائل نہیں یہ تو اس طرح کے تصور کو ہی شرک کہتے ہیں۔ لیکن حقیقت کچھ اور
ہے۔ روحوں کا تصرف روحوں سے فیض حاصل کرنے کے بارے میں دیوبندیوں کا
عقیدہ ملاحظہ فرمائیے۔ زلزلہ در زلزلہ کے مصنف ارشد القادری صاحب کی کتاب
زلزلہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”علمائے دیوبند ہرگز یہ نہیں کہتے کہ اللہ کے علاوہ غیب کی کوئی بات کسی کو
معلوم نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح وہ اس بات کے بھی قائل نہیں ہیں کہ انسان اپنی زندگی
میں یا مرنے کے بعد سرے سے کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ (زلزلہ در زلزلہ ص ۱۰۱)

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود ایاز

اسی طرح لکھتے ہیں:-

”ہر انسان کو چاہے وہ اس دنیا میں ہو یا عالم برزخ میں اسے اللہ کی اجازت اور
اس کا فیض ضروری ہے جب تک اجازت ہے تب تک عالم برزخ سے بھی کچھ روئیں
آکر دنیا والوں کی مدد کرتی ہیں اور انہیں بعض باتیں بتا دیتی ہیں۔“ (زلزلہ در زلزلہ ص ۱۵۲)
دیوبندیوں کے امام اور پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں ”اویسیہ
وہ گروہ ہے کہ کسی بزرگ کی روح سے مستفید ہوا ہو جیسا کہ حضرت حافظ روحانیت
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابو الحسن خرقانی روحانیت بایزید بسطامی قدس

سرہ سے کہ سو سال بعد وفات حضرت کے پیدا ہوئے تھے۔ فیضیاب ہوئے۔

(شہادۂ امدادیہ حصہ دوم ص ۵۲)

اگر بریلوی روحوں سے استفادہ کا عقیدہ رکھیں تو یہی حضرات توحید پرستی کے غرور میں بریلویوں کو بے دریغ مشرک بدعتی اور قبر پرست تک کہہ دیتے ہیں لیکن جب اپنے قبیلے کے شیخ کی بات چلی تو بے دردی کے ساتھ اسلامی عقیدہ کا خون کرنے کے علاوہ نصف صدی کی اس جماعتی مصنوعی کوشش کا بھی خون کر دیا کہ وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے مدد حاصل کرنا شرک ہے۔ لیکن اب اپنے مولوی صاحب کا تقدس برقرار رکھنے کے لئے دیوبندی عالم احسن گیلانی صاحب کو منافقت کا لبادہ اتارنا پڑا اور اپنے اصل عقیدے کا اظہار ان الفاظ میں کرنا پڑا۔

وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے مسئلہ میں علمائے دیوبند کا خیال بھی وہی ہے جو عام اہلسنت والجماعت کا ہے آخر جب ملائکہ جیسی روحانی ہستیوں سے خود قرآن ہی میں ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کی امداد کرواتے ہیں۔ صحیح حدیثوں میں ہے کہ واقعہ معراج میں رسول اللہ ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تحفیف صلوٰۃ کے مسئلے میں امداد ملی اور دوسرے انبیاء کرام علیہ السلام سے ملاقاتیں ہوئیں بشارتیں ملیں تو اس قسم کی ارواح طیبہ سے کسی مصیبت زدہ مومن کی امداد کا کام قدرت اگر لے تو قرآن کی کس آیت یا حدیث سے اس کی تردید ہوتی ہے۔“

(حاشیہ سوانح کاظمی ج ۱ ص ۳۳۲)

ایک بریلوی عالم اس پر یوں اظہار خیال کرتا ہے۔

”ان حالات میں ایک صحیح الدماغ آدمی یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا روح کے جو تصرفات و اختیارات اور غیبی علم و ادراک کی جو قوتیں دوسرے کے حق میں تسلیم کرنا

کفر و شرک ہے اپنے مولانا کے حق میں کیونکر اسلام و ایمان بن گیا۔ جیسی تو ہم کہتے ہیں کہ اگر دیوبندی حضرات میں خالص عقیدہ توحید کا جذبہ کارفرما ہوتا شرک کے معاملے میں اپنے اور بیگانے میں کوئی رعایت نہ کرتے۔ اگر ہم مرسلین و انبیاء و شہداء مقربین اور اولیائے کاملین کی صرف روحوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھ لیں کہ خدائے قدیر نے انہیں عالم برزخ میں زندوں کی طرح حیات و تصرف کی قدرت بخشی ہے تو بدعت و شرک، مردہ پرستی اور جاہلیت کے طعنوں سے ہمارا جینا دو بھر کر دیا جاتا ہے۔ دارالافتاء بادل کی طرح گر بنے اور برسنے لگتا ہے۔ آنکھوں میں دھول جھونک کر توحید پرستی کا سوانگ آخر کب تک رچایا جائے گا۔ (خلاصہ از زلزلہ)

اور جب بریلوی عالم نے احسن گیلانی کی یہ تحریر تلاش کر لی کہ ”پس بزرگوں کی ارواح سے مدد لینے کے ہم منکر نہیں ہیں۔“ (حاشیہ سوانح قاضی ۳۳۲/۱)

تو ان کی ظرافت کی رگ یوں پھڑکتی ہے۔ لکھتے ہیں:-

اللہ اکبر! دیکھ رہے ہیں آپ؟ قصد آرائی کو واقعہ بنانے کے لئے یہاں کتنی بیدردی کے ساتھ مولانا نے اپنے مذہب کا خون کیا ہے جو عقیدہ نصف صدی سے پوری جماعت کے ایوان فکر کا سنگ بنیاد بنا رہا ہے اسے ڈھانے میں موصوف کو ذرا بھی تاثر نہیں ہوا۔

آپ کے یہاں تو اس کے ایک مورچے پر نصف صدی سے جنگ لڑی جارہی ہے، معرکہ کارزار میں حقائق کی ترپتی ہوئی لاشیں آپ نہیں دیکھ پاتے تو اپنے ہی قلم کی تلوار سے لہو کی ٹپکتی ہوئی بوند ملاحظہ فرمائیے:- (اہل) (زلزلہ)

جب دیوبندی یہ اقرار کرتے ہیں:-

”ہم قوم کے سامنے کھلے عام یہ اعلان کرتے ہیں علمائے دیوبند کا معاذ اللہ یہ

عقیدہ نہیں ہے کہ..... وفات یافتہ بزرگوں کو ہر طرح کے تصرف کی قدرت ہے۔
(ذکرہ در ذکرہ)

تو ایک دیوبندی عالم عامر عثمانی اس کا یوں جواب دیتے ہیں
اس جملہ سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بزرگوں کو ہر
طرح کے تصرفات کی قدرت حاصل رہے یا نہ رہے لیکن کسی نہ کسی قسم کے تصرف کی
قدرت لازماً حاصل رہتی ہے اور تصرف کی اس قدرت کی اڑان کس قدر ہے۔ اس
واقعے سے آپ خود اڑان کی قوت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ (نگلی دیوبند ستمبر ۱۹۷۵ء ص ۶۴)

مردے کا فیصلہ

قاری طیب صاحب فرماتے ہیں کہ مدرسہ دیوبند کے صدر مدرسین کے درمیان
کچھ جھگڑا پڑا اس وقت رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ تھے اور صدر مدرس محمود الحسن
صاحب بھی اس جھگڑے میں شریک ہو گئے اور جھگڑا طول پکڑ گیا۔
”اسی دوران میں ایک دن علی الصبح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ
اللہ علیہ نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرے میں بلایا (جو دارالعلوم دیوبند میں
ہے) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرے کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے موسم سخت
سردی کا تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پہلے یہ میرا روئی کا
لبادہ دیکھ لو۔ مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا۔ اور خوب بھگ رہا تھا۔ فرمایا کہ واقعہ یہ
ہے کہ ابھی ابھی مولانا ناتوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جسدِ عنصری کے ساتھ میرے
پاس تشریف لائے تھے جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور میرا لبادہ تر ہوا
ہو گیا اور یہ فرمایا کہ محمود حسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے۔ پس میں نے

یہ کہنے کے لئے بلایا ہے۔ مولانا محمود حسن نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصہ میں کچھ نہ بولوں گا۔“ (ارواحِ ثلاثہ: ۲۶۱)

اب عقیدے کی بربادی اس واقعہ پر دیوبندی مذہب کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی کے حاشیہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اور دیوبندیوں کے اس عقیدے پر دل کھول کر خون کے آنسو بہائیے۔ مولانا اشرف علی اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”یہ واقعہ روح کا تمثیل ہے اور اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ جسد مثالی تھا مگر مشابہ جسدِ عنصری کے دوسری صورت یہ کہ روح نے خود عناصر میں تصرف کر کے جسدِ عنصری تیار کر لیا۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۲۶۲)

اس ایک ہی واقعے میں شرکیہ عقائد کے دریا بہا دیئے ہیں۔

۱۔ مولانا قاسم نانوتوی جو فوت ہو چکے ہیں ان کے حق میں علمِ غیب تسلیم کیا کہ انہیں عالمِ برزخ میں اس بات کی خبر ہو گئی کہ مدرسہ دیوبند کی چار دیواری میں مسند کی خاطر مدرسین آپس میں دست و گریباں ہونے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔

اور پھر ان کی روح کی پرواز کا کیا کہنا کہ تھانوی صاحب کے بقول مدرسہ دیوبند میں جھگڑے کے خاتمے کے لئے روح نے خود ہی عناصر (آگ، پانی، مٹی اور ہوا) میں تصرف کر کے جسدِ عنصری تیار کر لیا۔ اور بقول ارشد القادری خود ہی اس میں داخل ہو کر زندگی کے آثار اور نقل و حرکت کی قوتِ ارادی سے مسلح ہوئی اور لحد سے نکل کر سیدھے دیوبند کے مدرسہ میں چلی آئی۔

ہو سکتا ہے کہ یہ شیطانی چکر ہو لیکن مقامِ فکر یہ ہے اس واقعے کے صادق ہونے کی مولوی رفیع الدین صاحب نے بھی کواہی دی اور حیرت کا مقام ہے کہ محمود

الحسن بے چون و چرا اسے تسلیم کر کے ایمان لے آئے۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ آج تک تو روح کے ان تصرفات اور اختیارات کا نام تو ہم نے اپنی لغت میں شرک رکھا ہوا تھا۔ اب اچانک اس کو ایمان و اسلام کا درجہ کیسے دے دیا جائے۔

اور پھر تھانوی صاحب کا تو کیا کہنا کہ انہوں نے تو روح کو اللہ کے ساتھ ساتھ جسم کا خالق تسلیم کر لیا اور اب ان خرافات کو قاری طیب صاحب ارواح ثلاثہ میں درج کر کے اپنے اس عقیدے کی تشہیر فرما رہے ہیں۔

بقول زلزله در زلزله کے مصنف روح کے اتنے تصرفات کو دیوبندی تسلیم کرتے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔

تالاب میں دونوں ننگے

انکشاف کے مصنف دیوبندی عالم اپنی کتاب میں احیاء العلوم للفرالی جلد ۸۱/۱۳ سے دو حوالے اور عوارف المعارف سے روحوں کے اختیارات پیش کر کے فرماتے ہیں:-

”اب مذکورہ اثبات سے آپ یہ بخوبی نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ارواح اولیاء کو کس قدر من جانب اللہ اختیارات ہیں۔ (انکشاف: ص ۷۷) ایک جگہ لکھتے ہیں:-

ارواح اولیاء کا من جانب اللہ مدد کے لئے آنا بغیر مکروہات کا ارتکاب کئے یعنی مزارات پر جا کر براہ راست ان سے مدد مانگنا، ان کو نعم و الم ماحی جاننا، اپنے اختیار اور ارادے سے تمام حاجتوں کا پورا کرنے والا سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔ (انکشاف: ص ۱۰۹) اسی طرح ایک مقام پر امام غزالی کے حوالے سے اہل قبور کی چار قسمیں

بنائیں اور پہلی قسم میں اولیاء و انبیاء کو شامل کیا اور ان کے بارے میں لکھا:-
 ”ان کے اندر بہت سے اختیارات رہتے ہیں“۔ (انکشاف ص ۶۹)
 پھر لکھتے ہیں:-

اب مذکورہ اثبات سے آپ بخوبی نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ارواح اولیاء کو کس قدر
 من جانب اللہ اختیارات ہیں۔ (انکشاف ص ۷۰)

ایک مقام پر صاحب انکشاف کا قلم یوں چلتا ہے:-
 ”اولیاء اللہ کی ولایت اور ان کی کرامت انکی وفات کے بعد بھی باقی اور
 باذن اللہ جاری رہتی ہے۔ اس ضمن میں اتنا سمجھ لیجئے کہ اللہ کے حکم سے ارواح اولیاء
 دنیا میں بھی آ سکتی ہیں اور بحکم الہی دوسرے کی بھی مدد کر سکتی ہیں“۔ (انکشاف ص ۶۷)
 ایک جگہ پر اصلاحات صوفیہ نامی کتاب کے حوالے سے لکھتے ہیں:
 ”یہی لوگ مسند ارشاد کے وارث ہوتے ہیں۔ ان سے مخلوق کی حاجت روائی
 ہوتی ہے۔“ (انکشاف ص ۲۵۰)

ایک جگہ تھانوی صاحب فرماتے ہیں:-
 بعض بزرگوں کو جو اہل تصرف ہوتے ہیں عناصر پر قدرت ہو جاتی ہے کہ وہ
 اس سے چند اجساد کو ترکیب دے کر شکل بدل لیتے ہیں چونکہ روح میں انبساط ہے۔
 اس سے ایک روح کو ان چند اجساد کے ساتھ متفق کر کے چند شکلوں میں متشکل ہو
 سکتے ہیں۔ (مقالات حکمت ص ۳۱)
 ذرا تذکرۃ الرشید کے حوالے سے بھی کچھ سن لیجئے:-

غائب رہنا

”ہم انہی دنوں سید صاحب کو ایک پہاڑ میں تلاش کر رہے تھے۔ دفعہ کچھ ہی فاصلے پر گڑ گڑا ہٹ سنی۔ میں وہاں گیا تو دیکھوں کیا کہ سید صاحب اور ان کے دو ہمراہی بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام و مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت کیوں غائب ہو گئے سب لوگ بغیر آپ کے پریشان ہیں۔ مجبور ہو کر ہم لوگوں نے فلاں شخص کو اپنا خلیفہ بنا لیا ہے اور ان سے بیعت کی ہے۔ آپ نے اس پر تحسین کی اور فرمایا ہم کو غائب رہنے کا حکم ہوا ہے اس لئے ہم نہیں آ سکتے۔ (تذکرۃ الرشید ۲/۲۷۱)

شاید یہ بھی تعارف عناصر کر کے حاضر ہو گئے ہوں گے۔ ذرا ایک اور تعارف بھی سن لیں۔

مردے کا مٹھائیاں بانٹنا

مرنے کے بعد کہیں تو جھگڑے حل کرواتے ہیں اور کہیں مٹھائیاں بانٹتے نظر آتے ہیں۔

”اشرف السواح کے مصنف اشرف علی تھانوی کے پردادا محمد فرید صاحب کی وفات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”حضرت صاحب کسی بارات میں تشریف لے جا رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے آکر بارات پر حملہ کیا۔ ان کے پاس کمان تھی اور تیر تھے۔ انہوں نے ڈاکوؤں پر دلیرانہ تیر برسانا شروع کئے۔ چونکہ ڈاکوؤں کی تعداد کثیر تھی اور ادھر بے سرو سامانی تھی یہ مقابلے میں شہید ہو گئے شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ شب کے وقت

اپنے گھر میں مثل زندہ تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لا کر دی اور فرمایا اگر تم کسی سے ظاہر نہ کرو گی تو اسی طرح سے روز آیا کریں گے۔ لیکن ان کے گھر والوں کو اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے دیکھیں گے تو معلوم نہیں کیا شبہ کریں گے اس لئے ظاہر کر دیا اور آپ تشریف نہیں لائے۔ یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے۔ (شرف السوانح ج ۱ ص ۱۲)

کیسا عجیب ظلم ہے کہ مرنے کے بعد مثل زندہ تشریف لائے اور روز آنے کا وعدہ کیا اور ادھر قرآن اس شخص کا تذکرہ کرتا ہے جس کو تبلیغ کے جرم میں شہید کر دیا جاتا ہے اور اللہ اسے کہتا ہے

﴿قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَلَيْتُ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ﴾ (س: ۲۶-۲۷)

جنت میں داخل ہو جا وہ کہتا ہے کہ اے کاش میری قوم جان لیتی کہ میرے رب نے مجھے معاف کر دیا اور مجھے مکرمین میں سے کر دیا۔

اب یہ بھی حسرت بھرے انداز میں کہتا ہے کہ کاش قوم جان لیتی۔ اگر واپس جانے والا مسئلہ ہوتا تو یہ شہید ضرور بتلانے کے لئے جاتا کہ ایمان کے بدلے میں اللہ کیا کیا دیتا ہے لیکن اللہ کے ہاں تو قانون ہی یہ ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:-

﴿كَأَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۖ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ ۖ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۖ وَالتَّفَّتِ السَّاقِ بِالسَّاقِ ۖ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقِ﴾ (الہامہ: ۲۶-۲۷)

دیکھو جب جان گلے تک پہنچ جائے لوگ کہیں گے (اس وقت) کون جھاڑ پھونک کرنے والا ہے اور (جان بہ لب) نے سمجھا کہ سب سے جدائی ہے اور پنڈلی

سے پنڈلی چمٹ جائے اس دن سمجھ کہ اپنے رب کی طرف چلنا ہے۔

اب واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ کا دعویٰ ہے۔

﴿فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ۝ وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ۝ وَنَحْنُ أَقْرَبُ

إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ۝ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۝

تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (الواترہ ۸۳-۸۷)

بھلا جب روح گلے میں آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم مرنے والے کے تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ نہیں سکتے۔ پس اگر تم کسی کے بس میں نہیں ہو تو اگر تم سچے ہو تو روح کو پھیر کیوں نہیں لیتے۔

جب مرتے وقت خلق سے روح واپس نہیں آتی تو مرنے کے بعد پھر روح جسم میں اس طرح داخل ہو جائے کہ یہ قبر پھاڑ کر گھر تشریف لائیں اور روز آنے کا وعدہ کریں اور گھر والوں کو مٹھائی بھی بانٹے۔ معلوم نہیں برزخ ہے یا مٹھائی کا باڑہ۔ اگر برزخ سے نہیں لی تو دنیا میں کس کی چوری کی۔ کیونکہ خالی ہاتھ جانے کے بعد رقم کا حصول کیسے ہوا اور پھر ہر روز کیلئے رقم کہاں سے آئی اور پھر جب گھر والوں نے راز انشاء کر دیا تو انہیں کیسے معلوم ہوا کہ اب نہیں جانا کیونکہ گھر والے بے وقافتے کیا ان سوالات کا تسلی بخش جواب کسی دیوبندی پیر یا مرید مولوی یا مقتدی کے پاس ہے؟

لیکن آپ ذرا زلزلے کے مصنف کی گرفت کا جواب سنیں۔ فرماتے ہیں:-

”رہا اولیاء اللہ کو احیاء عالم برزخ میں دنیا کے احوال کا علم ہو جانا تو ایسے علم کو

علم غیب سے تعبیر کرنے والا سخت ناداں اور جہالت میں مبتلا ہے۔ (انکشاف ص ۹۳)

مردے کا ملاقات کے لئے آنا

عالم برزخ سے ملاقات کے لئے عالم دنیا میں چلے آنا اتنا آسان و سہل ہے کہ کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔ مرنے کے بعد گھر لوٹ کر آنے کا یہ واقعہ مولانا اشرف علی تھانوی کی زبانی سنئے:-

”مولانا اسماعیل دہلوی کے قافلے میں ایک شخص شہید ہو گئے جن کا نام بیدار بخت تھا۔ یہ مجاہد دیوبند کے رہنے والے تھے۔ ان کی شہادت کی خبر آچکی تھی۔ ان کے والد حشمت علی خان صاحب حسب معمول دیوبند میں اپنے گھر میں ایک رات تہجد کے لئے اٹھے تو گھر کے باہر گھوڑوں کے ناپوں کی آواز آئی۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ ان کے بیٹے بیدار بخت ہیں بہت حیرانگی بڑھی کہ یہ تو بالاکوٹ میں شہید ہو گئے تھے یہاں کیسے آ گئے بیدار بخت نے کہا جلدی کوئی دری وغیرہ بچھائیے۔ حضرت مولانا اسماعیل صاحب اور سید (احمد) صاحب یہاں تشریف لا رہے ہیں۔ حشمت خان نے فوراً ایک بڑی چٹائی بچھا دی۔ اتنے میں سید صاحب اور مولانا شہید اور چند دوسرے رفقاء بھی آ گئے حشمت خان نے محبت پدری کی وجہ سے سوال کیا تمہارے کہاں تلوار لگی تھی۔ بیدار بخت نے سر سے اپنا ڈھانٹا کھولا اور اپنا نصف چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اپنے باپ کو دکھایا کہ یہاں تلوار لگی تھی۔ حشمت خان نے یہ کہا کہ ڈھانٹا پھر سے باندھ لو۔ مجھ سے یہ نظارہ نہیں دیکھا جاتا۔ تھوڑی دیر بعد یہ تمام حضرات واپس تشریف لے گئے۔ صبح کو حشمت خان کو شبہ ہوا کہ یہ کہیں خواب تو نہیں تھا۔ مگر چٹائی کو غور سے دیکھا تو خون کے قطرے موجود تھے۔ یہ وہ قطرے تھے جو بیدار بخت کے چہرے سے گرتے ہوئے اس کے

والد نے دیکھے تھے۔ ان قطروں کو دیکھ کر حشمت خان سمجھ گئے کہ بیداری کا واقعہ ہے خواب نہیں۔ اخیر میں چند راویوں کے نام گنائے کہ اس حکایت کے اور بھی بہت سے معتبر راوی ہیں۔

(ملفوظات مولانا اشرف علی خان ص ۲۵۹ بحوالہ ہفت روزہ چٹان ۲۲ دسمبر ۱۹۶۲ء)

ایک بریلوی عالم اس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:-

”دیوبند کے یہ شہید اعظم جنہوں نے کرشمہ سازی میں دنیا کے تمام شہیدوں کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا۔ یہ ان کی روحانی سطوت کا عالم ہے لیکن یہاں شخصیت پرستی کی یہ ستم ظریفی دیکھئے کہ اس قصہ میں جنگ آزادی کے ایک شہید کو بدر و حنین کے شہیدوں سے بھی آگے بڑھا دیا۔ کیونکہ اسلام کے سارے شہیدوں پر برتری حاصل ہونے کے باوجود ان کے متعلق کوئی بھی روایت نہیں ملتی کہ وہ اپنا کٹا ہوا سر لے کر زندوں کی طرح اپنے گھر آئے ہوں اور بالمشافہ بات چیت کی ہو۔ یہ عقیدہ تسلیم کر کے بھی ان کے عقیدہ توحید کی اجارہ داری میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ لیجئے اسی قبیل کا ایک اور واقعہ پڑھ لیجئے۔

مردوں کا انتقام

”محمد مصطفیٰ بجنوری لکھتے ہیں اس زمانے میں مہندس نے آپ کے قریب میں ایک مکان تعمیر کیا اور اس میں ایک غرفہ رکھا۔ جس سے حضرت کے دولت خانے کی بے پردگی ہوتی تھی اور انواع و اقسام کے ظلم و جبر خدمت شریف میں کرنا تھا اور آپ کی طرف سے اپنے دل میں عناد رکھتا تھا۔ حضرت نے ایک شخص کے ذریعے کلمۃ الخیر تبلیغ فرمایا۔ لیکن اس نے کچھ خیال نہ کیا بلکہ کلمات بیہودہ زبان پر لایا۔

لوگوں نے یہ واقعہ حضرت سے عرض کیا اور اکثر احباب کی رائے ہوئی کہ حاکم وقت کے یہاں استغاثہ کیا جائے۔ بجواب اس کے حضرت ایشاں نے ارشاد فرمایا کہ میرا استغاثہ حاکم حقیقی کے یہاں ہے۔ حاکم مجازی کے آگے درخواست کرنا درست نہیں ہے۔ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ تیغ برہنہ اہل چشت نے اس پر گزر کیا اور باوجود اعزازِ بلیغ و اعتبارِ عظیم بلاوجہ ظاہری اپنے منصب سے علیحدہ کر دیا گیا اور ایسی ذلت و خواری میں مبتلا ہوا کہ اللہ کسی کو نہ دکھاوے۔ بے شک سچ کہا ہے کہ خواجگانِ چشت علیہ الرحمہ نے اپنی تلوار بے نیام کر کے لٹکا رکھی ہے اور کسی پر اس کا وار نہیں کیا جاتا مگر جو کوئی اس سے لگ اور چھیڑ کر نکلتا ہے اپنی کرنی کو بھرتا ہے۔“ (مدادِ اشفاق ص ۱۷۵)

معلوم نہیں حاکم حقیقی سے مراد کون ہے۔ اگر اللہ ہے تو اللہ نے سزا فرشتوں کے ذریعے دی تھی۔ یہ خواجگانِ چشت خدا کی کوئی فوج ہے کیونکہ اللہ کسی کو سزا فرشتوں کے ذریعے ہی دیتا ہے۔ یہ مردہ لوگوں کا سزا دینا اور انتقام لینا کس شریعت کا مسئلہ ہے اور ان کا تلوار بے نیام رکھنا ایسا لگتا ہے کہ یہ خدائی فوج صرف انتقام لینے کے لئے ہے۔ معلوم نہیں ان کو کیسے علم ہو جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے ہمارے فلاں آدمی کو تنگ کیا ہے۔

مردے کی عنایت

لیجئے ایک اور مردے کی بخشش سید نور الحسن لکھتے ہیں کہ رشید احمد گنگوہی نے ایک دفعہ حاجی امداد اللہ صاحب سے عرض کیا کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا تھا کہ حضرت قمیصِ خانقاہ ساڑھورہ میں مدفون نہیں ہیں۔ حضرت مُرشد نے فرمایا، تم سے جس شخص نے ایسا کہا غلط کہا ہے حضرت شاہ قمیص رحمۃ اللہ علیہ اسی جگہ تشریف رکھتے

ہیں۔ جب میں ساڑھورہ حاضر ہوا تھا تو میرے حال پر حضرت نے بہت عنایت فرمائی تھی۔ (امداد المصالح ص ۱۸۲ بحوالہ تذکرۃ الرشید ص ۲۳۵)

معلوم نہیں یہ عنایت کس قسم کی تھی اور یہ لوگ تو قبروں پر جا کر ہی عنایتیں لیتے ہیں۔ حضرت رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ ابتدائی زمانہ میں ہمارے حضرت حاجی صاحب (امداد اللہ) کو وحشت طاری ہوئی تین روز تک حضرت قلندر صاحب کی قبر پر مراقب ہوئے مگر کچھ پتہ نہیں چلتا تھا۔ آخر حضرت میاں جی نور محمد صاحب کو دیکھا کہ تشریف لائے اور فرمایا کہ یہاں کیا بیٹھے ہو۔ پھر قبر کھود کر دکھایا کہ کچھ نہیں ہے۔ (امداد المصالح ص ۱۸۳ بحوالہ تذکرۃ الرشید ص ۲۳۷)

نبی ﷺ یا صحابہ کو کوئی مصیبت یا پریشانی آتی تو فوراً نماز پڑھنے لگتے اور مسجد کی طرف لپکتے۔ لیکن یہاں ان کی شریعت میں پریشانی میں نظر عنایت کروانے قبر کی طرف کوچ کیا جاتا ہے اور پھر قبر میں بزرگ نہ ہونے کی وجہ سے کچھ ملتا بھی نہیں اگر ہوتے تو مشکل حل کر ہی دیتے اور یہ مشکل بھی ایک مرد نے حل کر دی کہ یہاں قبر میں کچھ نہیں قبر کھود کر دکھایا دیا۔ معلوم نہیں کہ بزرگ کے پردے ان لوگوں کے درمیان کیوں حائل نہیں ہوئے جو صحابہ کے لئے حائل تھے۔ یہ مسئلہ تو یہی حل کر سکتے ہیں۔

یہ تو تھا روحوں سے امداد کا مسئلہ اب ذرا قبروں سے امداد کا مسئلہ سنتے جائیے دیوبندی عالم مولانا اللہ یار اپنی کتاب ”عقائد و کمالات علماء دیوبند“ میں علمائے دیوبند اور روح سے اخذ فیض کے باب میں لکھتے ہیں۔

قبروں سے فیض

”مصدور مشائخ اولیاء کرام اور قبور اولیائے کرام سے فیوض باطنی کے حاصل ہونے کا عقیدہ اہل سنت میں اتناقی اور اجماعی ہے جسے علمائے دیوبند نے ایک مستقل رسالہ ”عقائد اہل دیوبند“ میں تفصیل سے بیان کیا ہے پھر اس پر مختلف ملکوں کے سینکڑوں علماء کی تصدیقات ہیں۔ (ص ۶۱)

پھر عقائد علماء کا یہ اقتباس پیش کرتے کہ:-

”مشائخ کی روحانیت سے استفادہ کرنے اور ان کے سینوں اور قبروں سے باطنی فیض حاصل کرنے کی سو بے شک یہ صحیح ہے۔“ (ص ۶۲)

ایک جگہ مولانا احمد علی لاہوری کے متعلق لکھتے ہیں:-

”کشف قلوب اور کشف قبور دونوں میں حضرت کو حق تعالیٰ نے ایک وافر حصہ عطا فرمایا تھا“ (ص ۶۹)

پھر مجدد الف ثانی کا وہ واقعہ جس میں انہوں نے نبی ﷺ کے قبر سے ہاتھ نکلنے پر بوسہ دیا کو دلیل کے طور پر بیان کر کے یہ امور ثابت کرتے ہیں۔

۱- شیخ کے مزار سے فیض روحانی ہوا یہاں تک کہ ایسا ہی جیسا شیخ کی زندگی میں ہوتا ہے۔

۲- خدام الدین لاہور علماء دیوبند کے ایک مایہ ناز فرد مولانا احمد علی لاہوری نے جاری کیا۔ اس میں یہ واقعات خرق عادت، حیات نبویؐ، مصافحہ روح سے فیض بلا تردید کیسے درج ہو کر شائع ہوئے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب امور علماء دیوبند کے عقائد کا حصہ ہیں۔ (ص ۷۲)

برزخ میں جھانکنا

پھر حضرت لاہوری کا یہ بیان اپنی تائید میں لاتے ہیں۔
 ”خدا تمہیں ہدایت دے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے کشف قبور ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ جو نو جوان انگریز کی عزت اور علماء کی توہین کرتے تھے۔ آج ان کی قبریں جہنم کا گڑھا بنی ہوئی ہیں اور وہ عذاب میں مبتلا ہیں۔ (ص ۷۸)
 پھر اپنے اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے اور واقعات کے ساتھ ساتھ یہ دو واقعے بھی ذکر کرتے ہیں۔

”ایام تحریک خلافت ایک بزرگ نقشبندی دیوبند آئے۔ مولانا نوتویؒ کا وصال ہو چکا تھا۔ حضرت مانوتویؒ کے مزار پر حاضر ہو کر مراقب ہوئے۔ دیر تک مراقبے میں رہے بعد میں فرمایا میں نے مراقبہ میں حضرت مانوتویؒ سے خلافت کی تحریک میں حکام کی نختیوں کا تذکرہ کیا تو حضرت نے مولانا محمود الحسنؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مولوی محمود حسن عرش خداوندی کو پکڑ کر اصرار کر رہے ہیں کہ انگریز کو جلد ہندوستان سے نکال دیا جائے۔ پھر یہ تبصرہ کرتے ہیں۔

یہ مولانا مدنی کا بیان ہے اس سے کئی امور ثابت ہوئے مثلاً روح سے کلام کشف قبور، روح کا قبر میں ہونا، روح کو دنیا کے حالات معلوم ہونا، برزخ میں دنیا والوں کے لئے دعایا بددعا کرنا روح سے فیض حاصل کرنا۔ (تفصیل حیات ص ۲۷۳)
 دیوبندی حضرات بریلویوں کو قبر پر جانے اور ان سے سوال کرنے پر قبوریوں کا بدترین و غلیظ طعنہ دیتے ہیں۔ ان پر مردوں کے نام پر دکان چکانے کا الزام لگتا ہے لیکن ملاحظہ فرمائیے کہ خود کیسے قبر کے سامنے کھٹنے ٹیکے بیٹھے ہیں۔

مردوں کا نہ مرنا

حاجی امداد اللہ کہتے ہیں کہ ”میرے حضرت نے فرمایا کہ میرا ارادہ تھا کہ تم سے مجاہدہ و ریاضت لوں گا۔ مہیت باری سے چارہ نہیں ہے۔ عمر نے وفا نہ کی۔ جب حضرت نے یہ کلمہ فرمایا میں پٹی پکڑ کر رونے لگا۔ حضرت نے تشفی دی اور فرمایا فقیر مرنا نہیں ہے۔ صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا ہے۔ فقیر کی قبر سے وہی فائدہ حاصل ہوگا جو زندگی ظاہری میں ہوتا ہے۔ فرمایا (حضرت صاحب نے) کہ میں نے حضرت کی قبر مقدس سے وہی فائدہ اٹھایا ہے جو حالت حیات میں اٹھایا تھا۔“ (شام امدادیہ حصہ سوم ص ۸۲)

ایک جگہ حضرت کے مزار کی مرمت کے بارے میں اظہار خیال اس طرح کرتے ہیں:-

”جس مزار سرایا انوار سے میں نے فیض حاصل کیا ہو میرے نزدیک اس کی درستی و اصلاح تو فرض ہے۔“ (شام امدادیہ حصہ سوم ص ۸۵)

قبر سے شفاء

ان کے نزدیک قبر کے فیوض میں سے ایک فیض قبر کی مٹی سے شفاء بھی ہے۔ ارواحِ ثلاثہ کے مصنف لکھتے ہیں ”کہ مولوی معین الدین صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ وہ حضرت مولانا کی ایک کرامت (جو بعد وفات واقع ہوئی) بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہمارے مانوٹہ میں جاڑے بخار کی بہت کثرت ہوئی۔ سو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لے جا کر باندھ لیتا اسے بھی آرام ہو جاتا۔ بس اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب بھی قبر

پر مٹی ڈلوادیں، تب ہی ختم کئی مرتبہ ڈال چکا۔ پریشان ہو کر ایک دفعہ مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحبزادے بہت تیز مزاج تھے) آپ کی تو کرامت ہو گئی اور ہماری مصیبت بلانی۔ یاد رکھو کہ اگر اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے ایسے ہی پرے رہو گے لوگ جوتا پہنے تمہارے اوپر ایسے ہی چلیں گے بس اسی دن سے پھر کسی کو آرام نہ ہوا۔ جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی ویسے ہی یہ شہرت ہو گئی کہ اب آرام نہیں ہوتا پھر لوگوں نے مٹی لے جانا بند کر دیا۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۳۳۹)

اسی قسم کا ایک واقعہ درسِ حیات کے مصنف ”مولانا بشارت کریم صاحب“ کی قبر کے تصرفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وصال کے بعد ایک مدت تک مزار شریف پر لوگوں کا ہجوم رہنے لگا اور پانی، تیل، نمک وغیرہ قبر شریف کے پاس لے جا کر رکھ دیتے کچھ دیر کے بعد اٹھا لیتے۔ اس سے بکثرت لوگوں کو فوائد ہوئے۔ (درسِ حیات ص ۳۵۷)

یہ تو ان کی قبر کے فیوض تھے اب ان کی قبر کی مٹی کا تصرف بھی سن لیجئے۔

”وصال کے بعد سے لوگوں کا ہجوم جو مزار کے پاس آتا، وہ پانی وغیرہ رکھنے یا دم کرانے کے بعد تھوڑی تھوڑی مٹی بھی ہر ایک اٹھا کر لے جانے لگا۔ چنانچہ چند روز میں ضرورت پڑ جاتی کہ دوسری مٹی مزار شریف پر ڈالی جائے۔ چنانچہ مولانا ایوب صاحب مرحوم (حضرت کے صاحبزادے) کچھ عرصہ تک جب مٹی کم ہو جاتی، نئی ڈال دیا کرتے۔ مٹی ڈالتے ڈالتے جب صاحبزادے تک آ گئے تو ایک دن آزدہ خاطر ہو کر مزار شریف پر حاضر ہوئے اور نہایت ادب سے عرض کیا۔ حضرت زلمگی میں تو بہت سخت تھے مگر اب مزار شریف پر کیا ہونے لگا ہے۔ اب میں آخری بار مٹی ڈال رہا ہوں۔ اسکے بعد پھر کسی نے مٹی نہیں اٹھائی قطعاً وہ سلسلہ بند ہو گیا اور اب کبھی مٹی ڈالنے کی نوبت نہیں آئی اور پانی تیل نمک وغیرہ مزار شریف پر رکھ کر دم کرانے کا

خیال بھی اب کسی کو نہ پیدا ہوا اور وہ سلسلہ بھی موقوف ہو گیا۔ (درک حیات ص ۳۵۸)

قبروں سے مشکل کشائی

قبروں سے مشکل کشائی کا ایک انداز یہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

حاجی امداد اللہ فرماتے ہیں ”اسی زمانے میں مراقبے میں میں نے حضرت شیخ ایشیوخ خولہ مین الدین چشت کو دیکھا ”قد سنا للہ باسراہ“ کہ فرماتے ہیں کہ میں نے تمہارے ہاتھ پر زرخطیر صرف کیا اور ارشاد فرمایا کہ اس وقت سے کوئی حادثہ ضرور یہ دینویہ تمہاری بندہ نہ رہے گی۔ فالحمد للہ کہ اس وقت سے ایسا ظہور میں آیا جیسا کہ حضرت خولہ نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا۔ (شہام امدادیہ حصہ اول ص ۱۲)

ایک جگہ اپنی فاتحہ زنی کا تذکرہ کرتے ہوئے حاجی امداد اللہ فرماتے ہیں کہ ”فاتحہ کے نویں دن خولہ اتیری عالم واقعہ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اے امداد اللہ تم کو بہت تکالیف اٹھانی پڑیں۔ اب تیرے ہاتھوں پر لاکھوں روپے کا خرچ مقرر کیا جاتا ہے۔“ (شہام امدادیہ حصہ سوم ص ۷۹)

اندازہ کیجئے خولہ اتیری کو زمین میں پیوند خاک ہوئے کتنا عرصہ گزر گیا۔ زمین کی تہوں میں ان کو کیسے خبر ہو گئی کہ حاجی صاحب کا ہاتھ ٹک ہے کوئی مانی کا لعل ہے جو اس گتھی کو سلجھائے۔

یہ تو ”خواجان“ مین الدین چشتی و اتیری کی رزاقی قوت کا انفرادی اظہار تھا۔ اب اجتماعی مجلس کے رزاقی فیصلے بھی سن لیجئے:-

حاجی امداد اللہ سید قطب علی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں نے عالم واقعہ میں تمام اولیاء کو عموماً حضرت خواجگان چشت کو خصوصاً دیکھا

ذکر تمہارا سنا۔ ایک صاحب نے ان میں سے تمہاری نسبت فرمایا کہ مصارف ان کے بہت ہیں اور آمدنی اتنی قلیل۔ اس کے جواب میں بزرگانِ چشت نے فرمایا (قدس سرہم) کہ ہاں ایسا ہی تھا۔ لیکن فی الحال واسطے ”رفع مایحتاج“ یہ ان کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا گیا ہے اب جس قدر کہ حاجت ہوگی عنایت ہوا کرے گا۔ ”فالحمد لله على نواله“ کہ تب سے رفع ضروریات لاحقہ بلا تردد و نظر غیب سے ہوتا ہے۔ راقم عاجز نے چشم خود دیکھا ہے کہ معارف کثیر بے سبب ظاہری بہ احسن وجوہ انجام پاتے ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ استغنائے تام پر ستارہ حضرت ایشاں سے ہے کبھی اغنیاء و امراء کے یہاں قدم رنج نہیں فرماتے۔ (شام امدادیہ حصہ اول ص ۱۲)

رزاقی قوت کا اظہار ایک جگہ یوں ہوا حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”میرے حضرت کا ایک جولاہا مرید تھا۔ بعد انتقال حضرت کے مزار شریف پر عرض کیا کہ حضرت میں بہت پریشان اور رویوں کا محتاج ہوں، کچھ دیکھ کر فرمائیے۔ حکم ہوا کہ تم کو ہمارے مزار سے آنہ یا آدھ آنہ روز ملا کرے گا۔ ایک مرتبہ میں زیارت کو گیا وہ شخص بھی حاضر تھا۔ اس نے کل کیفیت بیان کر کے کہا۔ ہر روز وظیفہ مقررہ پائیں قبر سے ملا کرتا ہے۔ (شام امدادیہ حصہ سوم ص ۸۴)

مردے کی گفتگو

خدام الدین لاہوری شیخ انصاری نمبر ص ۴۴ میں سے ذرا قبر والے کی گفتگو کا واقعہ بھی پڑھتے جائیے۔

مولانا لاہوری نجم المدارس کے سالانہ جلسہ پر کلاچی تشریف لائے۔ آپ سے مولانا ظہور الحق انصاری نے دریافت کیا کیا آپ بالاکوٹ سید صاحب اور مولانا شہید

کے مزار پر تشریف لے گئے ہیں فرمایا ہاں علامہ انفخانی نے دریافت کیا کہ حضرت کیا وجہ ہے کہ سید صاحب شیخ اور مرشد ہیں مگر ان کی قبر پر انوار مولانا کی نسبت کم معلوم ہوتے ہیں حضرت نے فرمایا 'ہاں! واقعہ یہی ہے مگر میں نے صاب قبر سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ میں سید احمد شہید نہیں ہوں۔ میرا نام بھی سید احمد ہے۔ میں مولانا کا مرشد نہیں ہوں۔ (ص ۷۰)

عقیدہ مشکل کشا

لیجئے دیوبندیوں کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب کا عقیدہ مشکل کشائی سینے اور توحید کے اجارہ داروں کی شرک پرستی کی داد دیجئے۔
دربار خداوندی میں حاجی امداد اللہ کے پیر کے اثر و رسوخ کی شان ملاحظہ فرمائیے۔

حاجی امداد اللہ فرماتے ہیں:-

تم ہو اے نور محمدؐ خاص محبوب خدا
ہند میں ہو نائب محمدؐ مصطفیٰ
تم مدد گار مدد امداد کو پھر خوف کیا
مشق کی پر سن کی باتیں کانپتے ہیں دست و پا
اے شہہ نور محمدؐ وقت ہے امداد کا
آسرا دنیا میں ہے از بس تمہاری ذات کا
تم سوا اوروں سے ہر گز کچھ نہیں ہے التجا
بلکہ دن محشر کے بھی جس وقت تاضی ہو خدا
آپ کا دامن پکڑ کر یہ کہوں گا بر ملا

۱۔ ہبہ نور محمد وقت ہے امداد کا (شام امدادیہ)
یہ حاجی صاحب کو کیسے علم ہو گیا کہ ان کے پیر خاص محبوب خدا ہیں۔ جب کہ
اللہ کے رسول فرماتے ہیں:-

لَا أَعْلَمُ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِهِ وَلَا بِكُمْ

میں نہیں جانتا کہ اللہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔
اسی طرح نبیؐ کے زمانے میں ایک عورت نے اپنے پڑوسی صحابی کے عقیقی
ہونے کی کواعی دی اللہ کے رسولؐ نے منع فرمایا کہ تجھے کیا علم..... یہ حاجی صاحب
کو علم کیسے ہو گیا۔

اور پھر جس دن یہ حالت ہو گئی کہ فرشتے اور جبرئیل علیہ السلام صف باندھے
کھڑے ہوں گے اور

﴿لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ (الباء ۳۸)

رب جسے اجازت دے گا وہی کلام کرے گا اور وہ بھی صحیح۔
جس دن تمام انبیاء سفارش کرنے سے انکار کر دیں گے اور محمد ﷺ بھی عرش کا
پایہ تمام کر جہدے میں گر کر گزرائیں گے۔ اس وقت نور محمد صاحب مدد کریں گے
جس کی جہ سے حاجی صاحب بے خوف ہو رہے ہیں جب کہ اللہ فرماتا ہے:-

﴿إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ
الْأَسْبَابُ﴾ (البقرة: ۱۶۶)

جب برأت کا اظہار کریں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی جاتی ہے ان لوگوں
سے جو پیروی کرتے ہیں اور وہ عذاب دیکھ لیں اور ان کے اسباب منقطع کر دیئے

جائیں گے۔

اسی طرح اللہ فرماتا ہے کہ

﴿لَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرْجِعُكُمْ مَّا خَوَّلْنَاكُمْ
وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَ كُفِّ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ
شُرَكَاءُ﴾ (الانعام: ۹۳)

تم البتہ تحقیق میرے پاس اکیلے آ گئے ہو جیسا کہ میں نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا
کیا اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا اس کو اپنی پٹنیوں پیچھے چھوڑ آئے اور ہم تمہارے
ساتھ تمہارے وہ سفارشی نہیں دیکھتے جن کے بارے میں تمہیں یقین تھا یہ کہ وہ
تمہارے بارے میں اللہ کے شریک ہیں۔

عام انسان تو کیا اللہ پاک فرشتوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

﴿وَكُم مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْءًا اِلَّا مِّنْ بَعْدِ
اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى﴾ (النجم: ۲۶)

ترجمہ: اور آسمان میں کتنے فرشتے ہیں کہ ان کی سفارش ان کو کچھ فائدہ نہیں
دے گی مگر اس کے بعد اللہ اجازت دے جس کو چاہے اور وہ راضی ہو جائے۔
ایک جگہ اللہ یوں فرماتا ہے:-

﴿يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَعَةُ اِلَّا مِّنْ اِذْنِ لِّهِ الرَّحْمٰنُ وَرَضٰى لَهُ قَوْلًا﴾
ترجمہ: جس دن کوئی سفارش فائدہ نہیں دے گی مگر اس کی جسے رحمن اجازت
دے اور اس کی بات سے راضی ہو جائے۔ (طہ: ۱۹)

حاجی صاحب کے پاس اپنے پیر و مرشد نور محمد صاحب کے بارے میں کیا سند

ہے کہ اللہ ان کو اجازت دے گا اور ان سے راضی ہوگا۔

حاجی صاحب تو یہ کہہ رہے ہیں کہ

۱۔ مہمہ نور محمد وقت ہے امداد کا

اور اللہ فرماتا ہے:-

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ رَزَعْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ

عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا﴾ (نہی اسرائیل: ۵۶)

اے نبی! ان سے کہہ دیجئے کہ تم اللہ کے علاوہ (کچھ) سمجھتے ہو ان کو پکارو۔

وہ تو تکلیف کو ہٹانے اور دور کرنے کے بھی مالک نہیں ہیں۔

اور حاجی امداد اللہ صاحب کا یہ کہنا کہ

تم مدد گار مدد امداد کو پھر خوف کیا

اور اللہ کے رسول فرماتے ہیں:-

﴿لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾ (الاعراف: ۱۸۸)

کہ میں اپنی جان کے لئے بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔

اسی طرح اللہ نے اپنے نبی سے کہلویا

﴿قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا﴾ (الحج: ۲۱)

اے نبی! کہہ دیجئے کہ میں تمہارے لئے دکھ سکھ کا مالک نہیں۔

جب اللہ کے رسول نے جنگ احد میں زخمی ہونے کے بعد یہ بددعا دی کہ

كَيْفَ يَفْلَحُ الْقَوْمُ قَدْ شَجَّوْا رَأْسَ نَبِيهِمْ (الحديث)

وہ قوم کیسے نلاج پائے گی جس نے اپنے نبی کے سر کو زخمی کر دیا۔

تو اللہ نے آیات اتاریں۔

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ (آل عمران: ۱۳۸)

اے نبی! تقدیر کے معاملے میں تیرا کوئی اختیار نہیں۔

نبیؐ نے اپنے رشتہ داروں کو اکٹھا کر کے کہا تھا:-

لا اغنى عنكم من الله شيئاً (الحديث)

کہ میں اللہ کی پکڑ سے تمہیں نہیں بچا سکتا۔ تم عمل کرنا کیونکہ!

﴿فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۖ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ﴾ (القاعدہ: ۶-۷)

جس کے عمل بھاری ہوں گے وہ عیش کی زندگی میں ہوگا۔

کسی انسان کے سہارے بے خوف ہو جانا عقلمندی کی دلیل کہاں ہے۔

حاجی صاحب کی ایک بات شرک میں ڈوبی ہوئی ہے لکھتے ہیں

آسرا دنیا میں ہے از بس تمہاری ذات کا

اور مسلمانوں کا قول کیا ہے:-

﴿حَسْبِيَ اللَّهُ نِعْمَ الْوَكِيلُ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ﴾

اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے اچھا دوست اور اچھا مددگار ہے۔ اور

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ (الملاق: ۳)

اور جو اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اسے کافی ہے۔

ایک جگہ اللہ فرماتا ہے۔

﴿وَمَالَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾

اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مدد کرنے والا نہیں ہے۔
ایک جگہ اللہ یوں فرماتا ہے۔

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ﴾ (الفرقان: ۵۸)

اور تو مکمل اس ذات پر کر جس کو موت نہیں آئے گی۔
یعنی آسمان صرف اللہ ہی بن سکتا ہے۔

حاجی صاحب تو التجائیں بھی غیر اللہ سے کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں

تم سوا اوروں سے ہرگز کچھ نہیں ہے التجا
اور اللہ فرماتا ہے۔

﴿إِذَا دُعِيَ الدُّعَاءُ وَيَكْشَفُ السُّوءُ﴾

کون ہے جو بے چین کی پکار کو سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارتا ہے اور اسے
تکلیف سے نجات دیتا ہے۔

مسلمان تو ہر نماز میں یہ وعدہ کرتا ہے۔

﴿إِنَّا كُنَّا نَسْتَعِينُ﴾ (الفاتحہ: ۵)

اے اللہ ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

التجا صرف اللہ ہی سے کی جاتی ہے۔ اللہ غیر سے التجا کرنے سے منع کرتا ہے۔
جیسا کہ فرمایا:

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ

فَبِإِنَّكَ إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ (یونس: ۱۰۶)

اللہ کے علاوہ ان کو نہ پکارو جو نہ تجھے نفع دے سکیں اور نہ نقصان اگر تو نے یہ کیا تو ظالموں میں سے ہوگا۔

اور یہاں التجائیں ہی غیر اللہ سے۔

حالانکہ ابراہیمؑ فرماتے ہیں:-

﴿وَاعْتِزُّ لَكُمْ وَمَتَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَادْعُوا رَبِّي﴾

میں تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو دور ہوتا ہوں اور اپنے رب کو پکارتا ہوں۔

اسی طرح جب زکریاؑ نے اولاد مانگی تو اپنے رب کے سامنے یوں التجائیں کیں۔

﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهِنَ الْعَظْمِ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ

بِدُعَاؤِكَ رَبِّ شَقِيًّا﴾ (مریم: ۴)

اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور بڑھاپے سے میرا سر سفید ہو گیا اور میں اے میرے رب! امید بھی نہیں۔

سوال: التجا رب سے کرنی چاہئے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

سَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنَّ اللَّهَ يَحِبُّ أَنْ يُسْأَلَ (ترمذی)

اللہ سے اس کا فضل مانگو بے شک اللہ سؤل کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔

اسی طرح نبیؐ نے اپنے چچا زاد بھائی سے یہ کہا تھا:

﴿إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ﴾ (ترمذی)

جب تو سوال کرے تو اللہ سے کر اور جب تو مدد مانگے تو اللہ سے مانگ۔
اسی طرح آپ فرماتے ہیں۔

﴿سَلُوا اللَّهَ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الشَّعْ إِذَا انْقَطَعَ﴾ (ابو یعلیٰ)
ہر چیز اللہ سے مانگو یہاں تک کہ شے بھی جب وہ ٹوٹ جائے۔
کیا اب بھی آپ اس عقیدے کو درست مانیں گے کہ:
تم سوار اوروں سے ہرگز کچھ نہیں بے التجا
حالانکہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

﴿الاستعاذۃ ہی الا لتجاء الی اللہ﴾ (تیسیر العزیز المہد ص ۱۷۸)
استعاذہ دراصل اللہ سے التجا ہے۔
اور شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔

﴿وقد نص الائمة کاحمد وغیرہ علی انہ لا یحوز الاستعاذۃ
بمخلوق﴾ (تیسیر العزیز المہد ص ۱۷۸)

امام احمد اور دوسرے ائمہ کے نزدیک مخلوق سے التجا کرنا جائز نہیں۔
مسلمانوں کے لئے کیا حکم ہے۔

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ (الاعراف: ۵۵)
گڑگڑا کر اور آہستہ اپنے رب کو پکارو۔
اور یہ کہنا بھی بڑی جسارت ہے۔

بلکہ دن محشر کے بھی جس وقت تاضی ہو خدا

آپ کا دامن پکڑ کر یہ کہوں گا ہر ملا
اب شہد نور محمد وقت ہے امداد کا
جس دن کے بارے میں اللہ یوں فرماتا ہے۔

﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا﴾ (الأنفطار: ۱۹)

جس دن کوئی جان کسی جان کے بارے میں مالک نہیں ہوگی۔
اور یہ تو نور محمد ہیں خود محمد کے بارے میں اللہ فرماتا ہے۔

﴿أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ﴾ (الزمر: ۱۹)

کیا پس جس پر اللہ کا عذاب ثابت ہو گیا کیا پس تو ان کو جو آگ میں ہیں
نکال سکتا ہے۔ وہاں نور محمد صاحب کیا کر سکتے ہیں اور حاجی صاحب کا نور محمد سے
امداد طلب کرنا صریح شرک ہے کیونکہ بغیر اسباب کے مدد۔

﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ (أنفال: ۱۰)

اللہ ہی کی طرف سے آ سکتی ہے۔

اور استغاثہ صرف اللہ ہی سے کیا جاسکتا ہے کیونکہ ”استغاثہ ہی طلب

الغوث“

﴿هُوَ اِزَالَةُ الشَّدَةِ كَالَاِسْتِصَارِ طَلِبُ النَّصْرِ وَالَاِسْتِعَانَةِ طَلِبُ

الْعَوْنِ الا استغاثۃ ہی الا استعانة﴾ (تیسیر العزیز المہد ص ۱۸۰)

استعانة اور استغاثہ مدد طلب کرنا اور مشکل حل کروانا ہے دونوں ہم معنی ہیں اور

مسلمان مدد اللہ ہی سے طلب کرتے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے۔

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ﴾ (انفال: ٩)

جب تم اپنے رب سے مدد مانگ رہے تھے اللہ نے قبول کیا۔

اب مدد کے معاملے میں پیر کو رب کا شریک کرنا کیا شرک نہیں؟

جب پیر صاحب حاجی امداد اللہ خود غیر اللہ سے فریادیں کر رہے ہیں تو مرید

بیچارہ کیا کرے۔ فرماتے ہیں۔

یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے

۱۔ حبیب کبریٰ فریاد ہے

نخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل

۱۔ میر۔ مشکل کشا فریاد ہے

(الہ امداد غریب ص ۳۳)

مولانا قاسم نانوتوی فرماتے ہیں

مدد کر ۱۔ کرم احمدی کہ تیرے سوا

نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

(تھانک قاسمی ص ۶)

حالانکہ ہر نبی نے مدد کے لئے التجا مخلوق کی بجائے رب سے کی ہیں جیسا کہ

یونسؑ کے بارے میں آتا ہے کہ جب یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیئے گئے تو

انہوں نے بھی غیر اللہ کی بجائے اللہ سے التجائیں کیں جیسا کہ قرآن میں ہے۔

﴿فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ﴾ (الأنبياء: ٨٧)

یونس نے اندھیروں میں پکارا یہ کہ تیرے علاوہ کوئی الہ نہیں تو پاک ہے۔
مخلوق سے التجائیں اس لئے نہیں کی جاسکتیں کہ وہ تو مجبور انسان ہیں۔ مختار کمال
تو اللہ ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَلُكُمْ﴾ (الاعراف: ١٩٣)

جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری طرح انسان تھے۔
اس سے بڑی بیوقوفی اور کیا ہو سکتی ہے اور ایسے انسان سے کچھ مانگا جائے
التجائیں کی جائیں، دنیا میں اسے سہارا بنایا جائے جن کی ملیت میں کچھ نہیں جیسا کہ
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ رَزَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ
فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾ (سبا: ٢٢)

اے نبی! ان سے کہہ دیجئے جن کو تم اللہ کے علاوہ سمجھتے ہو ان کو پکارو، وہ زمین
اور آسمان میں ایک ذرے کے بھی مالک نہیں ہیں۔
فریاد کے لائق اللہ ہی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔

﴿إِنَّهُ كَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ مُنَافِقٌ يُوذِي الْمَوْمِنِينَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ
قَوْمُوا بِنَا نَسْتَعِثْ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ هَذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ
إِنَّهُ لَا يَسْتَعِثُّ بِي وَإِنَّمَا يَسْتَعِثُّ بِاللَّهِ﴾ (طبرانی - معجم ج ٥ ص ٢١٤)

نبی ﷺ کے زمانے میں ایک منافق مسلمانوں کو ایذا دیا کرتا تھا بعض لوگوں

نے کہا چلو اس منافق کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے مدد طلب کرتے ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا مجھ سے مدد نہیں مانگی جاتی بلکہ اللہ سے مدد مانگی جاتی ہے۔
یعنی ظاہری اسباب نہ ہونے کی وجہ سے مدد اللہ سے ہی طلب کی جاتی ہے۔
اسی طرح آپ ﷺ دعا کرتے ہیں۔

﴿اللَّهُمَّ اغْنِنَا اللَّهُمَّ اغْنِنَا اللَّهُمَّ اغْنِنَا﴾ (بخاری)

اے اللہ ہماری مدد فرما۔

جنگ بدر کے موقع پر نبی ﷺ یوں دعائیں کرتے ہیں۔

﴿اللَّهُمَّ انك ان تهلك هذه العصابة من اهل الاسلام فلا تعبد
في الارض ابداً قال فما زال يستغيث ربها عز وجل ويدعو﴾ (مسند
احمد ۳۰/۱)

اے اللہ اگر تو نے مسلمانوں کی اس جماعت کو بھلا کر دیا تو زمین پر کبھی بھی
تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔

نبیؐ اپنے رب سے ایسے دعا مانگتے اور اسے پکارتے رہے۔ اسی طرح آپ ﷺ
نے دجال کے فتنے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:-

ان مع جنة ومارافئارہ جنة و جنة مارفن ائلى بنارہ فليستو باللة وليقرأ نواتح
الكتب فكلون عليه مردا و سلا ما كما كانت النار على ابراهيم۔ (ابن ماجہ ص ۳۷۷)

اس کے ساتھ جنت اور دوزخ ہوگی اس کی دوزخ دراصل جنت اور جنت
دوزخ ہوگی۔ پس جو کوئی اس کی آگ سے آزمایا جائے وہ اللہ سے مدد مانگے اور

سورۃ کہف کی شروع کی آیات 1 تا 17 دے کرے تو وہ آگ اس پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی، جیسے ابراہیمؑ پر ہوئی تھی۔

ان تمام دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا و آخرت میں التجا میں صرف اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہئیں۔

علم غیب کا مسئلہ بہت مشہور و معروف اور دیوبندی بریلویوں میں باعث نزاع ہے۔ اسی مسئلہ کی بنیاد پر دیوبندی بریلوی حضرات کو مشرک گردانتے ہیں اور خود موصوفہ بن جاتے ہیں لیکن یہ صرف زبانی دعوے ہیں ورنہ وہ بھی علم غیب کو اللہ کا خاصہ نہیں سمجھتے۔ مندرجہ ذیل واقعات اس پر شاہد ہیں۔

دیوار یا شیشہ

اب دیوبندی عالم نہیں خادم ہی کی نفی قوت دیکھئے۔ امام مامی جناب کا دیوان جی اور مولانا قاسم مانوٹوی کے ایک خانگی خادم تھے ان کے بارے میں سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا حبیب الرحمن فرمایا کرتے تھے کہ

اس زمانے میں کشفی حالت دیوان جی کی اتنی بڑھی کہ باہر سڑک پر آنے جانے والے نظر آتے رہتے تھے۔ درو دیوار کا تباب ان کے درمیان ذکر کے وقت باقی نہ رہتا تھا۔ (حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ ص ۷۳)

کیا نماز میں ذکر نہیں کیا جانا نماز قائم ہی ذکر کے لئے نہیں کی جاتی جیسا کہ رب کا یہ فرمان موجود ہے۔

اقم الصلوۃ لذكری ”نماز میرے ذکر کیلئے قائم کرو“

نمازی ذکر الہی میں مشغول ہوتا ہے۔

پھر حضرت عمرؓ کو اپنے پیچھے صف میں کھڑا ہوا تا تل نظر کیوں نہ آیا کیا وہ ولی نہ تھے۔ (نعوذ باللہ)۔ کیا صرف انہی کے لئے تباب اٹھائے جاتے ہیں اور مٹی کی دیواریں کانچ کے کھرے نظر آتے ہیں۔
لیجئے ایک خلیفہ مجاز حافظ عمر علی گڑھی کے نبی الکشاف کا اندازہ لگائیے۔

نور کا تار

مصنف اشرف السوانج لکھتے ہیں:-

ایک بار حافظ نے ریل میں بیٹھے بیٹھے عالم بیداری میں دیکھا کہ مسجد خانقاہ کے گنبد سے آسمان تک نور کا ایک تار لگا ہوا ہے۔ (اشرف السوانج ص ۲ ص ۶)
جب چھوٹے میاں کی غیبی قوت ادراک کا یہ عالم ہے کہ ہاتھ کی آنکھ سے عالم غیب کا مشاہدہ کر رہے ہیں تو حساب لگائیے کہ ان کے شیخ کی قوت الکشاف کا کیا عالم ہوگا۔

یہ بات ذہن میں رکھ کر شیخ کی قوت الکشاف کا اندازہ لگائیے کہ ان کے قبیلے کے مجذوب کی قوت ادراک کا یہ عالم ہے، درس حیات کے مصنف کے رفیق تعلیم کے قصبہ میں ایک مجذوب رہتا تھا جس سے ان کی اچھی خاصی شناسائی تھی ایک دفعہ وہ رات کو نکلے دیکھا کہ وہ مجذوب ان کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ وہ بھی اس کے پیچھے لگ گئے بہتی سے باہر نکل کر کچھ دور چلنے کے بعد وہ مجذوب رک گئے اور گڑھوں (جہاں مولانا بشارت کریم کا گھر تھا) کی طرف رخ کر کے ان سے کہنا شروع کیا۔

”ارے دیکھ! ادھر دیکھ! وہ دیکھ گڑھوں میں مولانا ہنارت کریم صاحب ذکر کر رہے ہیں اور ان کے مکان سے عرش تک نور ہی نور ہے۔ ارے اندھے دیکھ تجھ کو نظر نہیں آتا وہ دیکھ۔ (درس حیات ص ۳۳۲)

محبذب ”جن کا دماغ توازن بگڑا ہوتا ہے“ اس قسم کی بڑ لگاتے ہوئے عام نظر آئیں گے اور اسے بھی آپ ایک بڑی سمجھ کر گزرنے بھی چاہیں تو علمائے دیوبند آپ کے قدم تھام لیں گے اور محذب کی اس بڑ کے حق پر ہونے کا ان کو اتنا ہی یقین ہے جتنا مسلمان کا اللہ کے قول پر جیسا کہ مصنف نے فرمایا۔ اللہ اللہ یہ ہے۔ ذکر اور یہ ہیں ذکر۔ جن کے انوار کا کوئی آنکھ والا ہی مشاہدہ کر سکتا ہے۔ نہ صرف قریب سے بلکہ آٹھ نومیل کی دوری سے اس طرح مشاہدہ کرنا ہے جیسا محسوس چیز کو بہت قریب سے کوئی دیکھ رہا ہو۔ (درس حیات ص ۳۳۲)

محبذب کی بڑ پر دل کے یقین کا اندازہ لگائیے اور پھر نومیل کے فاصلے سے رات کے اندھیرے میں فرش سے عرش تک غیب انوار و تجلیات کا اس طرح مشاہدہ کرنا کہ درمیان کے تجلیات اور تاریکی مائع نہ ہو اگر ایک اونٹنی اتنی بلکہ محبوظ الحواس کے حق میں یہ علم تسلیم ہے تو بریلویوں کے کہنے کے مطابق رسولؐ کے حق میں یہ علم تسلیم کرتے ہوئے انہیں شرک کا آزار کیوں ستانے لگتا ہے۔

علم غیب

مولوی فضل حق صاحب، شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھتے تھے شاہ صاحب بڑے صاحب کشف تھے اور اس خاندان میں آپ کا کشف سب سے بڑھا ہوا تھا۔ جس روز مولوی فضل حق کسی ملازم پر کتابیں رکھوا کر لے جاتے۔ گھر پہنچنے

سے پہلے خود لے لیتے۔ شاہ صاحب کو کشف سے معلوم ہو جاتا۔ اسی روز مولوی صاحب کو سبق نہیں پڑھاتے تھے اور جب خود لے جاتے۔ حضرت کو کشف ہو جاتا اور اس روز سبق پڑھاتے۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۶۹)

کیا یہ اس آیت کے زمرے میں نہیں آتا جس میں اللہ فرماتا ہے۔

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾

زمین و آسمان میں غیب کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

اور یہاں بات ایک دفعہ کی نہیں اپنی تدریس کی زندگی میں ہر روز کے لئے درو دیوار کے تباہات اٹھ جاتے۔ فاصلے سمٹ جاتے اور نظر روشن سے دیکھ لیا کرتے کہ کتاب کا حامل کون ہے اور کس نے کہاں پر کتاب سنبھالی ہے۔ اگر غیب غیر اللہ میں ہی تسلیم کرنا تھا تو اپنے دلوں میں نبی کی کدورت کیوں بھری کہ انہیں تو دیوار پیچھے کا علم نہ تھا لیکن..... ہمارے علماء کے تو چودہ طبق روشن ہیں۔

لیجئے ایک اور دیوبندی عالم درو دیوار سے پرے دیکھتے ہیں۔ مولانا اشرف علی

تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ

”میں شاہ فضل الرحمن صاحب کی خدمت میں دو مرتبہ حاضر ہوا۔ ایک دفعہ نوکر

کھانا لایا مگر طباق میں نہیں۔ مولانا نے فرمایا بدتمیزیوں کھانا لایا کرتے ہیں۔ خادم

نے عرض کیا کہ میں نے طباق ڈھونڈا مگر ملا نہیں۔ فرمایا جھوٹ بولتا ہے۔ ارے

فلاں طاق میں رکھا نہیں ہے یہ غالباً کشف سے فرمایا۔ مولانا کو کشف بہت ہوتا تھا۔

خادم یہ سن کر دوڑا ہوا گیا اور طباق لے آیا۔“ (ارواحِ ثلاثہ ص ۳۵۱)

فِي الْأَرْضِ أَمَّا قَالَ فَمَا زَالٌ يَسْتَعِثُّ رَبُّهَا عَزَّوَجَلَّ وَيَدْعُو ﴿سند احمد ۳۰/۱﴾

اے اللہ اگر تو نے مسلمانوں کی اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین پر کبھی بھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔

نبی اپنے رب سے ایسے دعا مانگتے اور اسے پکارتے رہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے دجال کے فتنے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:-

ان مع بدنة • مارا فمار بدنة • جدته مارفن اتلى بنار د نليستغف بالله • لير انواتح الكهف فتكون عليه مردا وساما كما كانت النار على ابراهيم • (ابن ماجہ ص ۳۰۷)

اس کے ساتھ جنت اور دوزخ ہوگی اس کی دوزخ واصل جنت اور جنت دوزخ ہوگی۔ پس جو کوئی اس کی آگ سے آزمایا جائے وہ اللہ سے مدد مانگے اور سورۃ کہف کی شروع کی آیات تلاوت کرے تو وہ آگ اس پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی جیسے ابراہیم پر ہوئی تھی۔

ان تمام دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا و آخرت میں التجائیں صرف اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہئیں۔

علم غیب کا مسئلہ بہت مشہور و معروف اور دیوبندی بریلویوں میں باعث نزاع ہے۔ اسی مسئلہ کی بنیاد پر دیوبندی بریلوی حضرات کو مشرک گردانتے ہیں اور خود موصوف بن جاتے ہیں لیکن یہ صرف زبانی دعوے ہیں ورنہ وہ بھی علم غیب کو اللہ کا خاصہ نہیں سمجھتے۔ مندرجہ ذیل واقعات اس پر شاہد ہیں۔

دیوار یا شیشہ

اب دیوبندی عالم نہیں خادم ہی کی نبی قوت دیکھئے۔ امام مامی جناب کا دیوان جی اور مولانا قاسم مانوٹوی کے ایک خانگی خادم تھے ان کے بارے میں سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا حبیب الرحمن فرمایا کرتے تھے کہ

اس زمانے میں کشفی حالت دیوان جی کی اتنی بڑھی کہ باہر سڑک پر آنے جانے والے نظر آتے رہتے تھے۔ درو دیوار کا تباب ان کے درمیان ذکر کے وقت باقی نہ رہتا تھا۔ (حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ ص ۷۳)

کیا نماز میں ذکر نہیں کیا جانا نماز قائم ہی ذکر کے لئے نہیں کی جاتی جیسا کہ رب کا یہ فرمان موجود ہے۔

اقم الصلوٰۃ لذکری ”نماز میرے ذکر کیلئے قائم کرو“

نمازی ذکر الہی میں مشغول ہوتا ہے۔

پھر حضرت عمرؓ کو اپنے پیچھے صف میں کھڑا ہوا قاتل نظر کیوں نہ آیا کیا وہ ولی نہ تھے۔ (نعوذ باللہ)۔ کیا صرف انہی کے لئے تباب اٹھائے جاتے ہیں اور مٹی کی دیواریں کالج کے نکلے نظر آتے ہیں۔

لیجئے ایک خلیفہ مجاز حافظ عمر علی گڑھی کے نبی انکشاف کا اندازہ لگائیے۔

نور کا تار

مصنف اشرف السوانح لکھتے ہیں:-

ایک بار حافظ نے ریل میں بیٹھے بیٹھے عالم بیداری میں دیکھا کہ مسجد خانقاہ

کے گنبد سے آسمان تک نور کا ایک تار لگا ہوا ہے۔ (شرف السوانح ص ۲ ص ۶)
 جب چھوٹے میاں کی ٹیٹی قوت ادراک کا یہ عالم ہے کہ ماتھے کی آنکھ سے عالم
 غیب کا مشاہدہ کر رہے ہیں تو حساب لگائیے کہ ان کے شیخ کی قوت انکشاف کا کیا
 عالم ہوگا۔

یہ بات ذہن میں رکھ کر شیخ کی قوت انکشاف کا اندازہ لگائیے کہ ان کے قبیلے
 کے مجذوب کی قوت ادراک کا یہ عالم ہے، درس حیات کے مصنف کے رفیق تعلیم کے
 قصبہ میں ایک مجذوب رہتا تھا جس سے ان کی اچھی خاصی شناسائی تھی ایک دفعہ وہ
 رات کو نکلے دیکھا کہ وہ مجذوب ان کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ وہ بھی اس کے
 پیچھے لگ گئے بستی سے باہر نکل کر کچھ دور چلنے کے بعد وہ مجذوب رک گئے اور
 گڑھوں (جہاں مولانا بشارت کریم کا گھر تھا) کی طرف رخ کر کے ان سے کہنا
 شروع کیا۔

”ارے دیکھ! ادھر دیکھ! وہ دیکھ گڑھوں میں مولانا بشارت کریم صاحب ذکر کر
 رہے ہیں اور ان کے مکان سے عرش تک نورعی نور ہے۔ ارے اندھے دیکھ تجھ کو
 نظر نہیں آتا وہ دیکھ۔ (درس حیات ص ۳۳۲)

مجذوب ”ہن کا دماغی توازن بگڑا ہوتا ہے“ اس قسم کی بڑ لگاتے ہوئے عام نظر
 آئیں گے اور اسے بھی آپ ایک بڑی سمجھ کر گزرا بھی چاہیں تو علمائے دیوبند آپ
 کے قدم تھام لیں گے اور مجذوب کی اس بڑ کے حق پر ہونے کا ان کو اتنا ہی یقین
 ہے جتنا مسلمان کا اللہ کے قول پر جیسا کہ مصنف نے فرمایا۔ اللہ اللہ یہ ہے۔ ذکر
 اور یہ ہیں ذاکر۔ ”ہن کے انوار کا کوئی آنکھ والا ہی مشاہدہ کر سکتا ہے۔ نہ صرف
 قریب سے بلکہ آٹھ نو میل کی دوری سے اس طرح مشاہدہ کرتا ہے جیسا محسوس چیز کو

بہت قریب سے کوئی دیکھ رہا ہو۔ (درس حیات ص ۳۳۲)

مجنوب کی بڑے پر دل کے یقین کا اندازہ لگائیے اور پھر نو میل کے فاصلے سے رات کے اندھیرے میں فرش سے عرش تک غیب انوار و تجلیات کا اس طرح مشاہدہ کرنا کہ درمیان کے تباہات اور تاریکی مافع نہ ہو اگر ایک ادنیٰ امتی بلکہ محبوط الحواس کے حق میں یہ ظلم تسلیم ہے تو بدیلویوں کے کہنے کے مطابق رسولؐ کے حق میں یہ ظلم تسلیم کرتے ہوئے انہیں شرک کا آزار کیوں ستانے لگتا ہے۔

علم غیب

مولوی فضل حق صاحب شہادہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھتے تھے شہادہ صاحب بڑے صاحب کشف تھے اور اس خاندان میں آپ کا کشف سب سے بڑھا ہوا تھا۔ جس روز مولوی فضل حق کسی ملازم پر کتابیں رکھوا کر لے جاتے۔ گھر پہنچنے سے پہلے خود لے لیتے۔ شہادہ صاحب کو کشف سے معلوم ہو جاتا۔ اسی روز مولوی صاحب کو سبق نہیں پڑھاتے تھے اور جب خود لے جاتے۔ حضرت کو کشف ہو جاتا اور اس روز سبق پڑھاتے۔ (ارواح ثلاثہ ص ۶۹)

کیا یہ اس آیت کے زمرے میں نہیں آتا جس میں اللہ فرماتا ہے۔

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾

زمین و آسمان میں غیب کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

اور یہاں بات ایک دفعہ کی نہیں اپنی تدریس کی زندگی میں ہر روز کے لئے درود دیوار کے تباہات اٹھ جاتے۔ فاصلے سمٹ جاتے اور نظر روشن سے دیکھ لیا کرتے کہ کتاب کا حامل کون ہے اور کس نے کہاں پر کتاب سنبھالی ہے۔ اگر غیب غیر اللہ میں

عی تسلیم کرنا تھا تو اپنے دلوں میں نبی کی کدورت کیوں بھری کہ انہیں تو دیوار پیچھے کا علم نہ تھا لیکن..... ہمارے علماء کے تو چودہ طبق روشن ہیں۔
 لیجئے ایک اور دیوبندی عالم در دیوار سے پرے دیکھتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ

”میں شاہ فضل الرحمن صاحب کی خدمت میں دو مرتبہ حاضر ہوا۔ ایک دفعہ نوکر کھانا لایا مگر طباق میں نہیں۔ مولانا نے فرمایا بد تمیزیوں کھانا لایا کرتے ہیں۔ خادم نے عرض کیا کہ میں نے طباق ڈھونڈا مگر ملا نہیں۔ فرمایا جھوٹے بوتا ہے۔ ارے فلاں طاق میں رکھا نہیں ہے یہ غالباً کشف سے فرمایا۔ مولانا کو کشف بہت ہوتا تھا۔ خادم یہ سن کر دوڑا ہوا گیا اور طباق لے آیا۔“ (ارواحِ ثلاثہ ص ۳۵۱)

اصل عقیدہ

عبدالماجد دریا آبادی ”جنہوں نے قرآن کی تفسیر بھی لکھی ہے“ اپنے پیر کے بارے میں کیسے غیب دانی کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ یہ دعویٰ کم از کم دیوبندیوں کے بارے میں حسن ظن رکھنے والوں کو چونکا دینے کے لئے کافی ہے۔ فرماتے ہیں۔
 میرے دل نے کہا کہ دیکھو روشن ضمیر ہیں ما، سارے مخفیات ان پر آئینہ ہوتے بار ہے ہیں۔ صائب کشف و کرامات ان سے بڑھ کر کون ہوگا۔ آگے فرمایا، خیر اس وقت تو گہرا اثر اس غیب دانی اور کشف صدر لے کر اٹھا۔ مجلس درخواست ہوئی۔ (حکیم الامت ص ۲۳)
 اس واقعہ پر ایک بریلوی عالم کا تبصرہ پڑھنے کے قابل ہے۔
 ”آخر کا جملہ دوبارہ پڑھئے۔ یہاں بات ایک دم کھل کر سامنے آگئی ہے۔ مجاز و استعارہ کے ابہام سے ہٹ کر بالکل صراحت کے ساتھ تھانوی صاحب کے حق میں

غیب دانی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ یہی وہ لفظ ہے جس پر پچاس برس سے یہ حضرات جنگ کرتے آرہے ہیں کہ اس لفظ کا اطلاق رسول اکرم ﷺ کی ذات پر قطعاً کفر و شرک ہے ان حضرات کے تین فقہائے حنفیہ کفر کا اطلاق جس غیب دانی پر کر رہے ہیں وہ اقرار کفر اپنے تھانوی صاحب کے حق میں کتنی بجا شست کے ہاتھ قبول کر لیا گیا ہے تھانوی صاحب کی غیب دانی کے سوال پر نہ اسلام کی کوئی دیوار منہدم ہوئی ہے اور نہ قرآن کے ساتھ کسی طرح کا تصادم لازم آیا ہے۔

اب یہیں سے سمجھ لیجئے کہ ان حضرات کی کتابوں میں کفر اور شرک کے جو مباحث سینکڑوں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے پیچھے اصل مدعا کیا ہے۔ نبی دشمنی اور بزرگ پرستی۔ توحید پرستی کا جذبہ اگر خلوص پر مبنی ہوتا تو کفر و شرک کے سوال پر اپنے بیگانے کی یہ تفریق ہرگز روانہ رکھی جاتی۔“ (ذکر)

ایک جگہ دیوبندی عالم نبی دشمنی اور بزرگ پرستی کے الزام کو ان الفاظ میں رفع کرتے ہیں ”اب تک آپ کے سامنے اتنی بات بھی واضح ہو چکی ہوگی کہ کشف کرامت کے صدر و ظہور کا تعلق تزکیہ نفس سے ہے خواہ ذریعہ حصول کچھ بھی ہو وہ ریاضات و مجاہدات کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ اولیاء اللہ کو یا بغیر کسی ریاضت کے حاصل ہو گئی ہو جیسا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ لیکن پھر اس سوال کو مولانا ارشد القادری بار بار دہرا رہے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لئے جب قوت کشف و کرامت مانی جاسکتی ہے تو سردار انبیاء ﷺ کے لئے اگر تسلیم کر لی جائے تو کیا قیامت لازم آتی ہے۔ آہ! مسلمانو! ذرا سردار وہ جہاں ﷺ کی شان میں جرأت بجا کا مظاہرہ تو دیکھو کہ اگر مان لیا جائے تو کیا قیامت لازم آتی ہے۔ جی ہاں قیامت ہی نہیں اور بھی کچھ کہے کیونکہ بغیر قرآن و حدیث کے ثبوت کے حضور

ﷺ کی ذات مبارکہ سے کسی چیز کا انتساب و عدم انتساب کے درمیان کیا دوزخ جنت کا سوال نہیں اٹھتا۔ (انکشاف ص ۱۶۲)

قرآن کی مندرجہ ذیل آیات پر اڑھ کر خود فیصلہ کیجئے کہ غیب کا علم اللہ کے علاوہ بھی کسی کو ہے۔

﴿فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ﴾ (یونس: ۳۰)

اے نبیؐ کہہ دیجئے کہ غیب کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔

﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ﴾ (الانعام: ۵۰)

اے نبیؐ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبُ إِلَّا اللَّهُ وَمَا

يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ (الزلزلہ: ۶۵)

اے نبیؐ ان سے کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو ہستیاں ہیں ان میں سے اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا۔

﴿إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (فاطر: ۲۸)

بے شک اللہ ہی آسمان اور زمین کے غیب کو جانتے والا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ (ال عمران: ۵)

بے شک زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

صرف اللہ کا ہی علم اتنا وسیع ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:-

﴿وَيُعَلِّمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا﴾ (الانعام: ۵۹)
 اور اللہ جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور جو کچھ تری میں ہے اور کوئی پتہ نہیں
 گرتا مگر اللہ اس کو جانتا ہے۔

﴿وَمَا يَعْلَمُ مَا يَلْجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ
 وَمَا يَرْجِعُ فِيهَا وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ﴾ (سہ: ۲۱)
 اللہ جانتا ہے اس چیز کو جو زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے
 اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں سے چڑھتی ہے اور وہ رحم کرنے والا
 مغفرت کرنے والا ہے۔

اب اس علم کی وسعت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے اور کون اس میں شرکت کا
 دعویٰ کر سکتا ہے۔ ہاں علمائے دیوبند کا یہ دعویٰ ہے۔

چاند رات

مشہور دیوبندی حسین احمد مدنی کا ایک اور عجیب کرشمہ ملاحظہ فرمائیے۔ مصنف
 انفاس قدسیہ لکھتا ہے ”رمضان المبارک کے موقع پر بارہا ایسا ہوا ہے کہ جس دن
 آپ سورۃ ”اننا انزلنا“ متروں میں تلاوت فرماتے اس دن شب قدر ہوتی تھی
 حضرت اسی دن صبح سے عید کا انتظام کر دیتے تھے اور ایک دن بیشتر قرآن شریف ختم
 کر دیتے تھے۔ چاہے ۲۹ تاریخ ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت کے اس طریقے کی بنا پر
 حضرت کا ہر خانقاہی بتا سکتا تھا کہ آج چاند رات ہے۔ (انفاس قدسہ ص ۱۸۵)

حضرت کا اس سورت کا تلاوت کرنا ایسا غضبناک فعل تھا کہ اس دن کو چار

وچار شب قدر ہوا ہی پڑتا تھا کیا شب قدر پر غیب کے پردے اللہ نے نہیں چڑھا دیئے کہ نبیؐ کو بھی اس کا علم نہیں دیا گیا اور کائنات کے اولیاء کو ان کا آقا یہی کہتا ہے کہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ سر الہی کی مستور اشیاء کا علم اپنی غیبی قوت اور اک کے ذریعہ خدا کے حرم میں نقب لگا کر ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تو یہ فرماتا ہے:-

﴿يُولِجُ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ وَ يُولِجُ النَّهَارُ فِي اللَّيْلِ﴾ (الحج: ۶)

(اللہ) رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔

یعنی دن و رات کا آنا جانا میرے قبضہ قدرت میں ہے۔

لیکن یہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے اس نظام کو حضرت صاحب نے سنبھالا ہوا ہے۔ انہیں علم تھا کہ میں نے کب چاند نکالنا ہے ورنہ ایک دن بیشتر قرآن کا ختم کر دینا چاہیے ۲۹ تاریخ ہی کیوں نہ ہو اور چاند رات کے دن صبح ہی عید کا انتظام کرنا بغیر وثوق کے کون کر سکتا ہے اور پھر خانقاہ میں پڑے ہوئے درویشوں کو چاند کو آسمان کی دھمکتوں میں تلاش کرنے کی ضرورت تک پیش نہیں آتی بلکہ وہ اپنے حضرت کی مصروفیات سے معلوم کر لیتے۔

کیا ان دیوبندیوں نے کتاب وسنت کی ساری ہدایات کو بیکار سمجھ کر پس پشت نہیں ڈال دیا۔ اب صرف حضرت کا جذبہ عقیدت ہے اور وہ ارواحِ ثلاثہ کے راوی امیر خان، شاد عبدالقادر صاحب دہلوی کے متعلق اس قسم کی غیب دانی کا ایک اور حیرت انگیز واقعہ نقل کرتے ہیں کہ۔

چاند پر کنٹرول

”اگر عید کا چاند تیس کا ہونے والا ہوتا تو اول تراویح میں ایک سپارہ پڑھتے اور اگر انیس کا چاند ہونے والا ہوتا تو اول روز دو سپارے پڑھتے چونکہ اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اس لئے شہاد عبد العزیز صاحب اول روز آدمی کو بھیجتے تھے کہ دیکھ آؤ۔ میاں عبد القادر نے آج کے سپارے پڑھے ہیں اگر آدمی آکر کہتا کہ آج دو پڑھے ہیں تو شہاد صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو انیس ہی کا ہوگا۔

دیوبندی مولوی محمود حسن صاحب کا واقعہ پر افسانہ سنئے۔

”یہ بات دہلی میں اس قدر مشہور ہو گئی کہ بازار و اہل پیشہ کے کاروبار اسی پر مبنی ہو گئے۔“ (ارواح ثلاثہ ص ۵۸)

حکایت کی عبارت بول بول کر بتلا رہی ہے کہ یہ صورت حال قدرتی کسی رمضان کے ساتھ خاص نہیں تھی بلکہ بالاتزام ہر رمضان میں ایک ماہ پہلے ہی نلم ہو جاتا کہ چاند ۲۹ کا ہوگا یا ۳۰ کا۔ اپنے گھر کے بزرگوں کے نلم کی وسعت کا کیا عالم۔ اور نبیؐ کی یہ حالت کہ ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ میں نے عید کا چاند دیکھا ہے۔ آپؐ نے رکھا ہوا روزہ افطار کروادیا اور عید کا اعلان کر دیا۔ نبیؐ کو اہم کی جہ سے ایک دن پہلے کا نلم نہ ہو سکا کہ آسمان پر چاند طلوع ہوا ہے یا نہیں اور اظہر یہ عالم کہ حضرت ہر سال بالاتزام ایک ماہ قبل ہی چھپی ہوئی بات معلوم کر لیتے۔ اور صرف یہی نہیں کہ مہینہ پہلے چاند کا نلم ہو جاتا بلکہ حضرت کو ان آفات کا بھی نلم ہو جاتا جو لوگوں پر اترنے والی ہیں لیجئے اور ملاحظہ کیجئے۔

بلاء کا علم

تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مرتب لکھتا ہے کہ

”ایک دن (تھانوی صاحب نے) مولانا محمد یعقوب صاحب کی بابت فرمایا کہ انہوں نے خبر دی تھی اس وبا کی جس میں ان کے اہل ذہن نے وفات پائی تھی۔ پھر فرمایا مولانا تھے بڑے صاحب کشف، رمضان ہی میں خبر دے دی تھی کہ ایک بلائے عظیم رمضان کے بعد آوے گی ابھی آجاتی لیکن رمضان کی برکت سے رکی ہوئی ہے اگر یہ لوگ چنتا چاہیں تو ہر چیز میں صدقات دے دیں۔ (حسن العزیز ج ۱ ص ۲۹۳) کل کیا ہوگا اس کا تعلق بھی علم غیب سے ہی ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ بات یہاں کل سے بھی آگے نکل گئی ہے اور علم بھی ہے تو صرف تابعی آنے کا نہیں ملنے کا بھی ہے اور یہ کسی ایک فرد کے بارے میں نہیں قبیلے کے ہر فرد کے حق میں اس علم غیب کا ڈنکا مچا جاتا ہے۔ اگر انکار ہے تو صرف نبیؐ کے علم کا، وہ بھی بریلویوں کی مخالفت کر کے صرف اپنی توحید کی دکان چکانے کے لئے۔

اگر بلاؤں کے آنے جانے کا علم اللہ کے رسول کو ہوتا تو قرآن آپ کی یہ بات کبھی ذکر نہ کرتا۔

﴿لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ لَأَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنِيَ السُّوءُ﴾

اگر میں غیب جانتا تو بھلائیوں میں سبقت لے جاتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ یہاں تکلیف یعنی بلاء پہنچنے کا علم بھی ہے اور ملنے کا بھی۔

ان کے نزدیک شیخ کا مرتبہ دو بالا کرنے کے لئے ایمان کا خون بھی کر دیا

جائے تو روا ہے۔

علم غیب

لیجئے بات چل رہی تھی دن رات کے بدلنے کے نظام کی۔ لگے ہاتھوں سورج کے طلوع و غروب کا ایک عجیب قصہ بھی سن لیجئے۔ (ارواحِ ثلاثہ کے مصنف فرماتے ہیں)

”ایک مرتبہ حکیم خادم علی اپنی مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ رمضان کا زمانہ اور افطار کا وقت تھا آپ نے روزہ افطار فرمایا۔ اتنے میں چند رافضی آئے اور آکر کہا قسم ہے امام حسین کی! اس وقت غروب آفتاب نہیں ہوا تھا۔ حکیم صاحب نے فرمایا تم غلط کہتے ہو۔ آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ انہوں نے اصرار کیا اور کہا کہ آفتاب ہرگز غروب نہیں ہوا تھا۔ اس پر حکیم صاحب نے فرمایا کہ ہمارے قلوب میں دین و ایمان ہے ہماری شہادتِ قلوب غلط نہیں ہے۔ آفتاب غروب ہو چکا ہے۔ اگر تمہیں اس میں کچھ تردد ہو تو کل مجھے ایک کنٹری میں بند کر دینا اور تم لوگ آفتاب کو دیکھتے رہنا جس وقت غروب آفتاب ہوگا میں تمہیں اطلاع کر دوں گا۔ اس وقت تمہیں تصدیق ہو جائے گی۔ انہوں نے اس دعوے کو عجیب سمجھ کر کہا بہت اچھا۔ اگلے روز غروب آفتاب سے پہلے حکیم صاحب کو ایک کنٹری میں بند کر دیا گیا اور خود چھت پر چڑھ کر غروب آفتاب کو دیکھنے لگے جب آفتاب غروب ہوا حکیم صاحب نے فوراً اندر سے اطلاع کی کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے۔ اس وقت ان کو ان کے دعویٰ کی تصدیق ہو گئی۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۱۷۹)

شہادتِ قلوب پر اتنا گھمنڈ اور پھر درو دیوار کا تباب اٹھتا دیکھیں کہ فوراً بند کمرے سے اطلاع کر دی۔ ان کی غیب دانی کا یہ عالم اور نبیؐ کی یہ حالت کہ آپ کے زمانے میں رمضان کے مہینہ میں اللہ کی وجہ سے سورج نظر نہ آیا اور لوگوں نے

افطار کا وقت سمجھ کر روزہ افطار کر لیا، بعد میں سورج نکل آیا تو رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

نبی ﷺ کی نگاہ بادلوں کو چیر کر سورج تک نہ پہنچ سکی اور ان کی نگاہ کمرے کی دیواروں اور باقی تجاہات میں سے گزرتی ہوئی سورج تک جا پہنچی۔ جیسی تو بریلوی کہتے ہیں کہ دیوبندیوں کی کفر و شرک کی تمام بحثیں اولیاء کی حرمتوں کو گھائل کرنے اور ان سے کھیلنے کے لئے ہیں اگر خاص توحید کا جذبہ کارفرما ہوتا تو شرک کے سوال پر اپنے اور بیگانے کے درمیان تفریق روانہ رکھی جاتی۔

اسی طرح حضرت کی نظر کی پہنچ چاند و سورج اور دن رات کے طلوع و غروب تک محدود نہیں بلکہ پوری کائنات کو محیط ہے۔ دنیا کا کوئی گوشہ ان کی نظر سے اوجھل نہیں جیسے رب کا علم ہے کوئی ذرہ اس کے علم سے باہر نہیں۔

وما تسقط من ورقۃ (الایۃ) کوئی پتہ گرتا نہیں مگر اللہ کے علم میں ہوتا ہے

دنیا پر نظر

اسی طرح دنیا کا کوئی کونا ان کے ادراک سے باہر نہیں۔ اسی لئے مولوی مکی الدین بیان فرماتے ہیں کہ چونکہ حاجی صاحب عرصہ دراز بوجہ ضعف بدن حج کرنے سے معذور تھے ہم نے اپنے ایک دوست سے کہا آج خاص یوم عرفات (یعنی یوم حج) ہے۔ دیکھنا چاہیے کہ حضرت کہاں ہیں۔ انہوں نے مراقب ہو کر دیکھا کہ حضرت جبل عرفات کے نیچے تشریف رکھتے تھے۔ حضرت نے فرمایا یا اللہ لوگ کہیں بھی چھپا نہیں رہے دیتے۔ (کرامات امدادیہ ص ۳۰)

اس کو کہتے ہیں علم کی پرواز حضرت صاحب جو معذور ہیں ان کی اڑان کو تو

چھوڑنے کمال تو ان مریدین کا ہے کہ گھر بیٹھے سارا جہاں چھان مارا۔ آخر کار تلاش کر ہی لیا۔ اسی لئے بریلوی کہتے ہیں ”علم و ادراک کی غیبت تو انائی جو خاتما امداد یہ کے درویشوں کو تو حاصل ہے لیکن دیوبندی مذہب میں سید الانبیاء کو حاصل نہیں“ اور حضرت صاحب کا یہ ارشاد فرمانا کہ یا اللہ لوگ کہیں بھی چھپا نہیں رہے دیتے مریدین کی غیبت قوت کے کمال ہونے پر مہر ہے اور حضرت کی طرف سے دائرہ تحسین بھی ہے۔ کیا اب بھی کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے۔

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ (الانعام: ۵۹)

غیب کی کنجیاں اللہ کے پاس ہیں اور ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

جنت کا حدود اربعہ

اور پھر مال تو یہ ہے کہ دنیا کا کوئی کونا ابھل نہیں بلکہ جنت کی وسعت بھی ان کی نظر میں ہے چنانچہ ارواح ثلاثہ کے مصنف فرماتے ہیں۔

مولانا نوتوی ایک عالم سے ملنے کے لئے گئے تو انہوں نے فرمایا ”شاد ولی اللہ طوبی کا درخت ہے۔ پس جس طرح جہاں جہاں طوبی کی شائیں ہیں وہاں جنت ہے اور جہاں اس کی شائیں نہیں وہاں جنت نہیں ہے۔ یوں ہی شاد ولی اللہ کا سلسلہ ہے وہاں جنت ہے۔ (ارواح ثلاثہ: ص ۲۳۸)

سوچئے درخت کے بعد شائیں نکلتی ہیں یہ درخت تو برصغیر میں پیدا ہوا اور اس کے شاگرد اس کی شائیں ہیں۔ اب بتلائے صحابہؓ تابعینؓ اربعہ کرامؓ اور محدثین اور صالحین جو شاد ولی اللہ سے پہلے گزر گئے۔ وہ تو ان کی شائیں نہیں بنیں تو ان کا ٹھکانہ..... اسی لئے تو کہا گیا ہے۔

اذ لم تستحي فاضع مائت (الحديث)
 جب شرم نہ رہی تو جو دل میں آئے کر
 (تجھ کو روکنے والا کون ہے)

غیب ہی غیب

اور صرف جنت کا حدود اربعہ ہی نہیں جنت کے مکینوں تک کا علم ہے۔ اسی طرح جہنم کے مکینوں کا بھی پتہ ہے۔ حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”عارف جنتی و دوزخی کو اسی عالم میں جان لیتا ہے۔ (شائم امدادیہ حصہ سوم ص ۸۵) جو علم صحابہ کی پہنچ سے باہر تھا۔ جس کی گرد کو تابعین اور تبع تابعین بھی نہ پہنچ سکے دیوبند کے عارفین نے اس نلم کو روند ڈالا۔ خیر یہ تو دنیا اور آخرت کے بارے میں نلم غیب تھا ایک نیا کرشمہ بھی ان کے ہاتھوں دیکھتے جانیے۔ حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں سید علی بغدادی وہ اکثر ہمارے پاس آمد و رفت رکھتے تھے۔ ان کی کشف و کرامت اول مکہ میں مشہور ہے۔ ان کے حساب سے امام مہدی کے ظہور میں ایک یا دو سال باقی ہیں۔ انہوں نے امام مہدی کو رکن یمانی کے پاس نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھا اور ان سے مصافحہ بھی کیا ہے۔ (شائم امدادیہ حصہ سوم ص ۱۰۳) شاید امام مہدی تو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے۔ چلو ماں کے پیٹ کے حالات بھی ان کے لئے آئینہ کی طرح روشن ہیں مگر یہاں امام مہدی کے ظہور میں دو سال باقی ہیں اور وہ انہیں رکن یمانی کے پاس نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھتے اور مصافحہ بھی کرتے ہیں کیا امام مہدی کہیں چھپے ہیں کہ ظاہر ہو کر پھر پیدا ہوں گے یا پیدا نہیں ہوں گے۔

مولانا قاسم مانوٹوی صاحب اپنی جماعت کے ایک شیخ کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ کی صفت میں غیر کو اس طرح شریک کرتے ہیں۔

غیبی علم

”شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی کے ایک مرید تھے جن کا نام عبداللہ خان تھا اور قوم کے راجپوت تھے اور یہ حضرات کے خاص مریدوں میں تھے ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور تعویذ لینے آتا تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکا ہوگا یا لڑکی اور ”جو آپ بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا“ (ارواحِ ثلاثہ ص ۱۸۵) تیرے گھر میں لڑکا ہوگا یا لڑکی اللہ کے علم غیب میں شرک ہے اور اس فقرے سے کہ جو آپ بتلا دیتے تھے وہی ہوتا ہے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر کے صفحات پر آپ کے قلم کی سیاہی پھیلی ہوئی ہے اور آپ کی مشیوت کے خلاف ولادت نہیں ہو سکتی۔ اور مجبوراً مولود کو وہی شکل ملنا ہوتا تھا جو آپ کی نوک زبان سے نکل جاتا۔

اسی طریقے سے اشرف السوانح کے مصنف نے اشرف علی تھانوی کے متعلق قبل ولادت کی ایک پیشین گوئی نقل کی ہے۔ عبارت کا یہ ٹکڑا قابلِ تنقید ہے۔

”ماما می اشرف علی ہے۔ یہ مام حافظ غلام مرتضیٰ صاحب پائی پتی“ جو اس زمانے کے مقبول عام اور مشہور امام اہل خدمت مجذوب تھے۔ قبل ولادت حضرت والا بلکہ استقرار حمل ہی بطور پیشین گوئی تجویز فرما دیا تھا۔ (اشرف السوانح ج ۱ ص ۱۷)

قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ اگر لایم حمل میں انہوں نے خبر دی ہوتی تو یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ طبی ذرائع سے انہیں اس کا ظن غالب ہو گیا ہوگا۔ لیکن استقرار حمل سے پہلے جان لینے کا نام اگر ”علم ما فی الارحام“ سے بھی بڑھکر نہیں تو کیا ہے؟ جو

اللہ کا خاصہ ہے۔ اسی طرح مولانا اشرف علی تھانوی اپنی مانی کے بارے میں واقعہ لکھتے ہیں:-

”انہوں نے (مانی صاحب نے) حضرت حافظ نام مرتضیٰ مجذوب پائی پتی سے شکایت کی کہ حضرت میری اس لڑکی کے لڑکے زندہ نہیں رہتے۔ حافظ صاحب نے بطریق معما فرمایا کہ عمر و نلی کی کشاکش میں مر جاتے ہیں۔ اب کے بار علی کے پیرہ کر دینا زندہ رہے گا۔ (بچے کی والدہ نے اس کا معما یوں حل کیا کہ باپ فاروقی تھے ماں علوی اور اسی نسبت سے نام رکھے تھے) فرمایا اس کے دو لڑکے ہوں گے اور زندہ رہیں گے ایک کا نام اشرف علی خان رکھنا اور دوسرے کا نام اکبر علی خان۔ نام لیتے وقت خان اپنی طرف سے جوش میں آ کر بڑھا دیا تھا کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا وہ پتھان ہوں گے فرمایا نہیں۔ اشرف علی اور اکبر علی رکھنا۔ یہ بھی فرمایا کہ ایک میرا ہوگا۔ وہ مولوی ہوگا اور حافظ ہوگا اور دوسرا دنیا دار ہوگا چنانچہ یہ پیشین گوئیاں حرف بحرف راست نکلیں۔ (اشرف السوانح ج 1 ص 12)

سوچئے اشرف علی خان صاحب کی مانی جن حافظ صاحب سے شکایت کر رہی ہیں یہ شکایت اگر ان کے محکمے کی ہے تو بجا کہ مزارعہ کی پارٹی میں ان صاحب کا خاص مقام ہے اور موت کا محکمہ ان کا اپنا ہے مگر نہ اللہ کی شکایت مجذوب سے کرنا کیسے روا ہے۔

حافظ صاحب کا یہ کہنا کہ ”عمر و نلی کی کشاکش میں مر جاتے ہیں“ یعنی یہ بوجھ ان دونوں خلفاء کے کندھوں پر ڈال دیا۔ بتلائے خون کس کے سر پر۔ عالم برزخ نہ ہوا دھینگا مشتی کا اکھاڑا بن گیا اور پھر حضرت علی کے پیردگی میں دینا فاتح خیبر ہونے کی وجہ سے طاقت میں زیادہ ہونے کی بناء پر ہوگا۔ وہ لڑکوں کی بڑھن کوئی اور

ان کی زندگی کی گارنٹی دینا اپنے حضرت کے لئے صرف حمل ہی نہیں استقرار حمل سے بھی پہلے کا علم تسلیم کر لیا گیا اور صرف اپنا ہی نہیں۔ ساتھ ساتھ بھائی کا نام ہی نہیں احوال و اوصاف کی بھی نشاندہی کر دی۔ وہ نوحہ تقدیر جو فرشتے حمل کے ۸۰ دن بعد لکھتے ہیں۔ اس کے احوال اس کی موت اس کا رزق اس کی خوش بختی اور بد بختی۔ (ابوداؤد ص ۸)

حضرت نے استقرار حمل سے کئی سال پہلے بتلا دیے اس کا معنی یہی ہوا کہ یا تو تقدیر کے محکمے پر حضرت کا تسلط ہے یا علم کی پہنچ کا یہ حال کہ لوح محفوظ کے علم تک ان کی دسترس سے باہر نہیں۔ اسی قوت کا نام خدائی اختیار ہے لیکن عظمت شان کے اظہار کے لئے یہ خدائی قوت بھی غیر خدا میں بے چون و چرا تسلیم کر لی گئی اور عقیدہ توحید پر ذرا براہ بھی آنچ نہ آئی۔

اب حضرت والا کا عقیدہ سنئے۔ فرماتے ہیں کہ یہ جو میں کبھی کبھری اکھڑی اکھڑی باتیں کرنے لگتا ہوں۔ ان ہی مجذوب کی روحانی توجہ کا اثر ہے جن کی دعا سے میں پیدا ہوا ہوں۔ (شرف السوانح ج ۱ ص ۱۷)

اس پر اب ہم کیا تبصرہ کریں بس پُپ ہی جلی۔ روحانی توجہ نہ ہوئی ریز ہو گئی۔ کسی ایک عالم کا عقیدہ اگر خراب ہو تو درگزر کیا جاسکتا ہے یہاں تو آوے کا آواہی بگڑا ہوا ہے۔ زندہ تو ایک طرف قبر والوں کے بارے میں بھی یہی عقیدہ ہے۔

لیجئے مشہور دیوبندی عالم اور دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم قاری طیب صاحب کا عقیدہ سنئے فرماتے ہیں کہ :-

ہاتھوں میں ہاتھ

”خان صاحب نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب جب بطنِ مادر میں تھے تو ان کے والد ماجد شاہ عبد الرحیم صاحب ایک دن خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور مراقبہ ہوئے اور اوراک بہت تیز تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تمہاری زوجہ حاملہ ہے اور اس کے پیٹ میں قطب الاقطاب ہے۔ اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ اقرار و تسلیم فرمایا اور آ کر بھول گئے۔ ایک روز شاہ صاحب کی زوجہ نماز میں مشغول تھیں۔ جب انہوں نے دعا مانگی تو ان کے ہاتھوں میں دو چھوٹے چھوٹے ہاتھ نمودار ہو گئے وہ ڈر گئیں اور گھبرا کر شاہ صاحب سے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے۔ فرمایا ڈرو نہیں۔ تمہارے پیٹ میں ولی اللہ ہے۔ پس اس لئے اصل نام تو قطب الدین احمد رکھا گیا اور اکثر تحریرات میں اس نام کو حضرت شاہ صاحب لکھتے بھی تھے اور مشہور ولی اللہ ہوا۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۲۳)

اللہ تعالیٰ نے تو زندہ لوگوں کے اوراک کی نفی کی تھی کہ وہ نہیں جانتے کہ پیٹ میں کیا ہے یہاں قبر والے لڑکے کی خوشخبری دینے کے علاوہ زوجہ کا حمل بھی بتا رہے ہیں اور غیب کی خبریں بھی ظاہر کی جا رہی ہیں کہ وہ قطب الاقطاب ہوگا۔

زندگی کا طریقہ

درس حیات کے مصنف اپنے والد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کی اولاد زندہ نہ رہتی تھی ایک بہت بڑے عامل سے انہوں نے تذکرہ کیا ”عامل نے کہا ایک عمل ہے اس کو کیجئے ان شاء اللہ اولادِ مزینہ ہوگی اور زندہ رہے گی۔ جب حمل کو چوتھا مہینہ ہو تو حاملہ کے پیٹ پر اپنی انگلی سے بغیر روشنائی کے محمد لکھ دیجئے اور پکار کر کہیے

میں نے تیرا نام محمد رکھا اور جب بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام محمد رکھیے۔ چنانچہ اس عمل کے بعد سب سے پہلی اولاد جو پیدا ہو کر زندہ رہی وہ میں تارقی (فخر الدین صاحب مصنف کتاب درس حیات) ہوں۔ (درس حیات ص ۱۹۳)

دیکھا آپ نے حمل سے پہلے اولاد مزینہ کا علم بھی ہو گیا اور زندگی کا بھی۔ اسے کہتے ہیں غیب دانی۔ کہ ماں کے شکم میں آنے سے پہلے ہی سب کچھ کا علم ہو۔ مولوی سعید احمد فاضل دیوبند اپنی پیدائش کے بارے میں لکھتے ہیں۔

الہام یا علم غیب

”مجھ سے پہلے با کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے تھے جن کا نوعمری ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد مسلسل سترہ سال تک ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی یہاں تک کہ انہوں نے ترک ملازمت اور ہجرت کا قصد کر لیا۔ مگر جب قاضی عبد الغنی صاحب مرحوم (والد کے پیر و مرشد) کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے منع لکھ بھیجا اور ساتھ ہی خوشخبری دی کہ ان کے لڑکا پیدا ہوگا۔ (برہان دہلی ص ۲۸ اگست ۱۸۵۲)

جب زلزلے میں بریلوی عالم نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بتلایا کہ یہ شرک فی صفات اللہ ہے۔ اب ہم دونوں اس تالاب میں ننگے ہیں تو نجم الدین صاحب یوں کوپا ہوئے۔

”اگر کچھ دنوں پہلے (حالانکہ وہاں چند سالوں کا ذکر ہے) مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کے والد کے پیر قاضی عبد الغنی صاحب کو بذریعہ الہام معلوم ہو گیا کہ بچہ پیدا ہوگا تو کون سی عجیب بات ہے۔ (زلزلہ در زلزلہ ص ۱۱۰)

علماء دیوبند کو یہ کیسے معلوم ہو جاتا تھا کہ ارحام میں کیا ہے، یہ سننے ہی سمجھتی دیکھتے۔

مولود کی تصویر

مولانا حبیب الرحمن نے فرمایا راء عبد الرحمن خان صاحب *نجلہ* (پنجاب) میں حضرت شہاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور بڑے زبردست صاحب کشف حالات تھے کشف کی یہ حالت تھی کہ کوئی لڑکا لڑکی کے لئے تعویذ مانگتا۔ بے تکلف فرماتے جا تیرے لڑکا ہوگا یا لڑکی ہوگی۔ لوگوں نے عرض کیا یہ کیسے آپ بتاتے ہیں فرمایا کہ کیا کروں بے محابا مولود کی صورت سامنے آ جاتی ہے۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۲۷۱) زلزلہ کے مصنف اس پر یوں برہستے ہیں۔

”یہاں حسن اتفاق کا بھی معاملہ نہیں ہے اور ایسا بھی نہیں کہ خواب کی بات ہو بلکہ پوری صراحت ہے اس کی کہ ان کے اندر مافی الارحام کے علم و انکشاف کی ایک ایسی قوت ہی بیدار ہو گئی تھی (کہ بے محابا مولود کی صورت سامنے آ جاتی) اور وہ ہر وقت شفاف آئینے کی طرح پیٹ کے اندر کی چیز دیکھ لیا کرتے تھے۔ بالکل اسی طرح کی قوت جیسے ہماری آنکھوں میں دیکھنے اور کانوں میں سننے کی ہے۔ نہ جبرئیل کا انتظار اور نہ الہام کی احتیاج۔ اور بقول ایک بریلوی عالم کے علم و انکشاف کی وہی صفت جو پیغمبر کے حق میں تسلیم کرتے ہوئے انہیں خدا کے ساتھ شرک کی قباحہ نظر آتی ہے اپنے ادنیٰ سے مرید کے لئے بے تکلف تسلیم کر لیتے ہیں۔“

اب نجم الدین صاحب ”جو زلزلہ کتاب کا جواب لکھنے والے ہیں“ کیسے فوراً ہی بریلویوں کے ہم نوالہ بن کر موصد پن سے اپنا رشتہ توڑ دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-
”علماء دیوبند کب یہ کہتے ہیں کہ بزرگان دین کیلئے تجاہات نہیں اٹھائے جاتے۔“
(زلزلہ در زلزلہ ص ۹۲)

اور یہ تجاہل کسی خاص وقت سے متعلق نہیں جب یہ بھی کوئی تعویذ لینے آتا تو علم ما فی الارحام کا اظہار کر دیتے کیونکہ مولود کی صورت سامنے آ جاتی تھی۔
جائے آپ اس منافقانہ چال کو کہ موحّدین کو خوش کرنے کے لئے بھی یہ الفاظ ادا کرتے ہیں ”اگر کوئی یہ دعویٰ کرے اسے قدرت حاصل ہے کہ عورت کے رحم کے حالات جب چاہے جان لے تو بلاشبہ وہ شرک میں مبتلا ہے۔ (زلزلہ در زلزلہ ص ۱۱۰)
آپ انصاف خود کر لیں۔ کوئی سائل تعویذ لینے آیا ہو اور حضرت نے نہ بتلایا ہو اور مولود کی صورت سامنے نہ آئی ہو تو ثبوت پیش کریں۔ کیا یہ ایک مستقل قوت کے حامل نہیں بن گئے حالانکہ اللہ فرماتا ہے۔

﴿اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰی﴾ (الرعد: ۸)

اللہ ہی جانتا ہے جو ہر مادہ (اپنے پیٹ میں) اٹھاتی ہے۔
ایک جگہ اللہ یوں فرماتا ہے۔

﴿وَيَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ﴾ (لقمان: ۴۴)

اللہ جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے۔
ایک جگہ اللہ یوں فرماتا ہے:-

﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا تَضْعُ اِلَّا بِعِلْمِہِ﴾ (حم السجدة: ۴۷)

نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے نہ کوئی جنتی ہے مگر اللہ کو ان سب چیزوں کا علم ہے۔
اب اللہ کے اس علم میں کون شرکت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ کسی کے پاس اتنا علم ہے ہی نہیں مگر علماء دیوبند اپنے اور اپنے مریدوں کے بارے میں دعویٰ کرتے ہیں۔
(العیاذ باللہ)

غیب کی ان پانچ چابیوں میں سے جن کا علم اللہ نے اپنے پاس رکھا ہے ایک

﴿وَمَا تَذَرِي نَفْسٌ بَأَىٰ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ (لقمان: ۳۳)

کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس سر زمین پر فوت ہوگا۔

اور ابو داؤد میں یہ حدیث موجود ہے کہ حمل کے ۸۰ دن کے بعد اس کی تقدیر میں فرشتے اس کا شقی یا سعید ہوا۔ اس کے اعمال، اس کی موت، اس کا رزق لکھ دیتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں علم غیب سے ہیں اور یہی ان دیوبندی حضرات کے لئے کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہیں۔

اب توحید کا دعویٰ کرنا اور زبردستی موحّد بننا دھونس اور فریب ہے ورنہ بریلویوں کو اسی بہہ سے یہ لوگ مشرک گردانتے ہیں کہ یہ غیر کو بھی عالم الغیب مانتے ہیں اور اسی موضوع پر مناظرے کروائے جاتے ہیں لیکن اب اسی موضوع کو اپنے علماء کے لئے کیسی خوشی اور بٹاشٹ کے ساتھ تسلیم کر لیا جاتا ہے۔

تھانوی صاحب، مولوی مظفر حسین کی روایت سے امداد اللہ شاہ صاحب کا عقیدہ توحید سے متصادم اور اسلامی اصولوں سے منحرف واقعہ عجیبہ ذکر کرتے ہیں۔

مرنے کا علم

حضرت مولانا مظفر حسین مرحوم مکہ معظمہ میں بیمار ہوئے اور استیاق تھا کہ مدینہ منورہ میں وفات ہو۔ حاجی صاحب سے استفسار کیا کہ میری وفات مدینہ منورہ میں ہوگی یا نہیں۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں کیا جانوں۔ کہا حضرت یہ عذر رہے دیجئے۔ جواب مرحمت فرمائیے۔ حضرت حاجی صاحب نے مراقب ہو کر فرمایا کہ آپ مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے۔ (قصص الاکابر ص ۱۰۳)

اس مراقبہ کی اس عظیم قوت کا کیا کہنا کہ چشم زدن میں پردہ غیب کے ایک

سر بستہ راز کو معلوم کر کے ساتھی کو بتلایا دیا۔ ان حضرات کی نبی قوتِ ادا رک میں کسی قسم کا کوئی جھول یا کمزوری نہ تھی کہ مخفی حقائق کی تہہ تک پہنچنے سے قاصر رہے۔ انہی صاحبین کا اسی قسم کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیے جسے ارواحِ ثلاثہ کے راوی بیان کرتے ہیں۔

”مما لا مظهر حسین ۲۳ جمادی الثانیہ روز شنبہ ۱۲۸۲ھ کو بیت اللہ روانہ ہوئے ابھی مکہ مکرمہ نہ پہنچے پائے تھے کہ اسہال کا مرض لاحق ہو گیا۔ مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ حاجی امداد اللہ صاحب سے فرمایا کہ میرا جی چاہتا تھا کہ مدینہ منورہ میں موت آئے مگر بظاہر اب میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ آپ مراقبہ کیجئے۔ انہوں نے مراقبہ کیا اور فرمایا کہ نہیں آپ مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے کچھ روز کے بعد آپ اچھے ہو گئے اور اگلے ہی روز مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔ مدینہ منورہ پہنچنے میں ایک منزل باقی تھی کہ آپ پھر بیمار ہو گئے اور ۱۰ محرم ۱۲۸۳ھ کو انتقال فرمایا اور نزدیک حضرت عثمان مدفون ہوئے۔ (ارواح ثلاثہ ص ۲۲۲)

کہاں گیا رب کا یہ دعویٰ کہ

﴿وَمَا تَذَرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ (لقمان: ۳۳)

کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس سر زمین پر فوت ہوگا۔

کیا نعوذ باللہ ان کے اس عقیدے نے اس دعویٰ کو باطل نہیں کر دیا۔

آئیے اس مسئلے کی دوسری شق کی طرف کہ کون کب مرے گا۔ اس کا علم اللہ

کے علاوہ علماء دیوبند کو بھی ہے۔

موت و حیات پر قبضہ

تذکرہ رشید کے مصنف لکھتے ہیں کہ ”ایک بار نواب چھتاری سخت بیمار ہوئے یہاں تک کہ سب لوگ ان کی زیست سے ناامید ہو گئے۔ ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد ایک شخص کو گنگوہی صاحب کی خدمت میں دعا کے لئے بھیجا گیا۔ قاصد حاضر ہوا اور دعا کی درخواست کی۔ آپ نے حاضرین جلسہ سے فرمایا ”بھائی دعا کرو۔ چونکہ حضرت نے خود دعا کا وعدہ نہیں فرمایا۔ اس لئے فکر ہوئی اور عرض کیا گیا کہ حضرت آپ دعا فرمادیں اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا ”امر مقدر کر دیا گیا ہے۔ اور ان کی زندگی کے چند روز باقی ہیں۔ حضرت کے اس ارشاد پر اب کسی عرض و معروض کی گنجائش نہ رہی اور نواب کی حیات سے ناامیدی ہو گئی۔ تاہم قاصد نے عرض کیا کہ حضرت یوں دعا فرمائیے کہ نواب صاحب کو ہوش آجائے اور وصیت و انتظام ریاست کے متعلق جو کچھ کہنا سننا ہو یہ سن لیں۔ آپ نے فرمایا خیر اس کا مضائقہ نہیں۔ اس کے بعد دعا فرمائی اور ارشاد فرمایا ”شاء اللہ اتفاق ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نواب صاحب کو دفعۃً ہوش آ گیا اور ایسا اتفاق ہوا کہ عافیت و صحت کی خوشخبری دو روزوں تک پہنچ گئی کسی کو خیال بھی نہ رہا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اچانک حالت پھر بگڑی اور مختار و دریا دل نیک نفس رئیس نے انتقال بہ عالم آخرت کیا۔ (تذکرہ ص ۲۵۹)

حضرت کا یہ فرمانا کہ ”امر مقدر کر دیا گیا ہے۔ کس بات کی غمازی کر رہا ہے۔ یا تو تقدیر کے سارے نوشتے حضرت کی جیب میں ہیں جب چاہا ایک نظر ڈال کر بتلا دیا یا قضاء و قدر کا محکمہ ان کا اپنا ہے غیر کا نہیں اسی لئے امر مقدر کر دیتے ہیں اور بتلا دیتے ہیں۔“ زندگی کے چند روز باقی ہیں“ اور مرید ان کا پیر طریقت کی بات پر اتنا

ایمان کہ ”کسی عرض و معروض کی گنجائش نہ رہی“ اور حیات کی سب کو اُمیدی ہو گئی
یعنی وہ حضرت کی بات نہ تھی کلمہ ”کن“ تھا اور اس بات کا اظہار تھا۔

﴿وَمَا تُبَدِّلُ الْقَوْلَ لَدَيَّ﴾ (۱۱۶)

ہمارے ہاں کوئی قول تبدیل نہیں ہوتا۔

اسی طرح ”خیر اس کا کوئی مضائقہ نہیں“ یہ فقرہ ہماری کس طرف راہنمائی کر رہا
ہے۔ اس کا مفہوم جاننے کے لئے کسی منطق یا فلسفہ کی ضرورت نہیں، صرف ذرا سی
عقل درکار ہے۔ اس واقعے میں کتنے شرکیہ عقیدے لپٹے ہوئے ہیں کس کس کی
نشاندہی کریں۔ اس فقرے نے آپ کی عقل میں کیا مفہوم پیدا کیا۔ ”کسی کو خیال
بھی نہ رہا کہ کیا ہونے والا ہے“ جو ہونے والا ہے وہ کرنے والا کون ہے اور وہ
فیصلہ جو حضرت کی زبان سے نکلا کیا اس کا ملنا ممکن نظر نہیں آتا۔ اتنے شرکیہ
عقیدے رکھنے کے باوجود اپنی جبین پر ”موحد“ کا لیبل چسپاں کرنا بہت بڑے دل
گردے کا کام ہے عام انسان کے بس کا روگ نہیں لیجئے ایک دوسرے واقعہ سے بھی
یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قضاء و قدر کے محکمے کے بلا شرکت غیرے مالک ہیں یا تقدیر
کے نوشتے ان کی پہنچ سے باہر نہیں تذکرہ رشید کے مصنف فرماتے ہیں۔

موت کا علم

مولانا گنگوہی کے دوست مولانا صادق العین سخت بیمار ہوئے۔ واپسین
احباب نے دعا کے لئے عرض کیا حضرت خاموش رہے اور بات کو ٹال دیا اور جب
دوبارہ عرض کیا گیا تو آپ نے تسلی دی اور فرمایا میاں وہ ابھی نہیں مریں گے اور اگر
مریں گے تو میرے بعد۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس مرض سے صحت حاصل ہو گئی اور

حضرت کے وصال کے بعد اسی سال محرم میں واصل بحق ہو کر جنت المعلقین میں مدفون ہوئے۔ (تذکرہ رشید ج ۲ ص ۳۹۹)

حال کا پتہ اور مستقبل کی خبر دونوں کا پتہ بتلا دیا۔ اسے کہتے ہیں غیب دانی کا کمال اور ادھر نبی ﷺ کا وہ واقعہ کہ اللہ کے رسول سے جب یہ سوال ہوا کہ بہترین جگہ اور بدی جگہ کونسی ہیں تو آپ نے کہا کہ مجھے علم نہیں پوچھ کر بتلاؤں گا۔ جبرائیل سے پوچھا انہوں نے بھی یہی کہا کہ پوچھ کر بتلاؤں گا پھر رب سے پوچھا اور نبی ﷺ کو بتلایا۔ یہاں نہ جبرائیل کا انتظار نہ خدا کی وحی کی احتیاج۔

چلتے چلتے یہ واقعہ بھی سن لیں کہ گنگوہی صاحب کو اپنی موت کا دن معلوم تھا۔ حضرت گنگوہی کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کو چھ روزہ پہلے سے جمعہ کا انتظار تھا۔ یہ یوم شنبہ دریافت فرمایا کہ آج کیا جمعے کا دن ہے خدام نے عرض کیا حضرت آج تو شنبہ ہے۔ اس کے بعد درمیان میں بھی کئی بار جمعہ کو دریافت کیا۔ حتیٰ کہ جمعہ کے دن جس روز وصال ہوا صبح کے وقت دریافت فرمایا کہ کیا دن ہے اور جب معلوم ہوا کہ جمعہ کا دن ہے تو فرمایا ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ (تذکرہ ج ۲ ص ۳۳۱) چھ دن قبل ہی اپنی موت کا علم وہ بھی یقینی حاصل ہو گیا تھا کہ جمعہ آیا تو یہ الفاظ زبان پر جاری ہو گئے۔

اسی طرح ایک اور حضرت کے بارے میں سنئے :-

مولوی ریاض احمد فیض آبادی صدر جمعیۃ علمائے میوات حسین احمد مدنی صاحب سے اپنی آخری ملاقات کا ذکر کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ”حضرت ان شاء اللہ اختتام سال پر ضرور حاضر ہوں گا۔ فرمایا کہ دیا ملاقات نہیں ہوگی۔ اب تو میدان آخرت میں ہی انشاء اللہ ملو گے مجمع میرے قریب جو تھا احقر کی معیت میں ابدیدہ

ہو گیا۔ (شیخ الاسلام نمبر ۱۵۶)

حضرت کو اپنی موت کا علم یقینی اور مجمع کو اس لب و لہجہ کا اتنا یقین دونوں باتیں توحید کی نہیں۔ اسی لئے مدیوئی حضرات نے یہاں تک کہہ دیا۔ قرآن کی کوئی آیت اور حدیث کی کوئی روایت نہ مولوی حسین احمد صاحب کو علم کے خاموش ادعا سے روک سکی اور نہ ہی اس خبر پر ایمان لانے والوں کی راہ میں حائل ہوئی شرک و انکار کی ساری تعزیرات جو دیوبندی لٹریچر میں پھیلی ہوئی ہیں صرف انبیاء و اولیاء کے حق میں ہے گھر کے بزرگوں پر قطعاً ان کا اطلاق نہیں ہوتا۔ (ذللہ)

اب تک تو آپ نے ان لوگوں کے غیبی علم کے واقعات سنے۔ جن کے سانس کا رشتہ استوار تھا۔ لیجئے اب مردوں کی باری ہے اور ان کی ”ماز“ کا اندازہ لگائیے۔

قبر والے کو عمر کا علم

مولانا یعقوب صاحب اذیر میں خواجہ صاحب کے مزار پر حاضر ہو کر دیر تک مراقب رہتے۔ ایک دن مراقبے میں حضرت خواجہ کی طرف سے اشارہ ہوا۔
 ”آپ کی تکمیل مدرسہ دیوبند میں حدیث پڑھانے سے ہو گی آپ وہیں جائیں اور ساتھ حضرت خواجہ صاحب کا یہ مقولہ بھی مناشف ہوا کہ آپ کی عمر کے دس سال رہ گئے ہیں اس میں یہ تکمیل ہو جائے گی۔ (خواجہ غریب نواز ص ۶)
 مذہبی مزاج کے خلاف یہ واقعہ صرف اس لئے برپا کیا گیا کہ اس سے مدرسہ دیوبند کی فضیلت ثابت کرنا تھی اس لئے مردوں کے روحانی اقتدار اور غیبی تصرف پر ایمان لانا پڑا کہ انہیں بھی موت و حیات کا علم ہے۔

دھوکہ

اور جب زلزلہ کے مصنف نے اس بات پر گرفت کی تم بھی غیر اللہ میں نلم غیب تسلیم کرتے ہو تو ارباب دیوبندیوں کو کیا ہوئے:-

”یہ حضرات اپنے قلوب کے تصنیف کی وجہ سے انوار تجلیات اور عالم مثال کا بے حجاب مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کیا کرتے تھے۔ (انکشاف ص ۲۳)

ایک جگہ علم غیب جاننے کو کشف قرار دیتے ہیں اور اسکی یوں تشریح کرتے ہیں۔
 ”پوشیدہ باتوں کا معلوم کرنا کشف ہے اس کی دو قسم ہیں کشف صغریٰ کشف کبریٰ کشف صغریٰ کو (کشف کوئی) بھی کہتے ہیں یعنی سادہ اپنی قلبی توجہ سے زمین و آسمان ملائکہ ارواح اہل قبور عرش کبریٰ لوح محفوظ الغرض دونوں جہان کا حال معلوم کرے اور مشاہدہ کرے۔ کشف کبریٰ اس کو کشف الہی بھی کہتے ہیں یعنی ذات حق سبحانہ کا مشاہدہ اور معائنہ ہو جانا اور جملہ تجلیات اور اعتبارات کا اٹھ جانا اور نور بصیرت سے خلق کو عین حق اور حق کو عین خلق دیکھنا سادہ کا مقصود اصلی کشف یہی ہے۔ اس واضح تفصیل سے آپ کے شبہات یقیناً زائل ہو گئے ہوں گے۔ آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ اکابر دیوبند بلکہ تمام اولیاء اللہ کشف کبریٰ ہی کو دراصل حصول مقصد سمجھتے ہیں اور کشف صغریٰ کو صرف مفید قرار دیتے ہیں۔ (انکشاف ص ۳۲)

نقاب اتارنا

ایک جگہ انکشاف کے مصنف یوں گویا ہوئے ”زلزلے کے کئی صفحات پر پھیلے ہوئے چند واقعات جن میں سے بعض کا تعلق تو محض تجربے سے ہے اور بعض اخبار بالغیب سے ہے جو حضرت (شیخ) کی کھلی ہوئی کرامت ہے اور بعض تو بقول مولانا

فارسی صاحب بعنوان ”اپنی وفات کا علم“ پر مشتمل ہے۔ اگر بقول مولانا ارشد القاری اسے تسلیم کا بھی درجہ دے دیں۔ کہ حضرت مدنی کو اپنی وفات سے پہلے ہی اس کا علم ہو گیا تھا تو سوال یہ ہے کہ بزرگان دین کے ذکاء و فراست سے ان چیزوں کو بعید از عقل کیوں سمجھا جاتا ہے۔ (انکشاف: ۲۳۳)

ایک جگہ انکشاف کے مصنف یوں کوپا ہوئے۔

”اب مخفی امور پر مطلع ہونے سے تعلق کسی کا کوئی انفاء باقی نہیں رہا۔ بلکہ قرآن و حدیث سے اس کی صحیح وضاحت بھی ہو گئی کہ یہ چیز از قبیل کشف والہام اور منجانب اللہ خاص بندوں پر نوازش ہے۔“ (انکشاف: ۱۷۳)

رب کی صفات کو اپنے بزرگوں میں ثابت کرنے کے لئے دیوبندی عالم جامع الاولیاء سے یہ عبارت نقل کرتے ہیں:-

کرامت کی چند قسمیں ہیں۔ ”مردوں کا زندہ کرنا“ ”مردوں کا کلام کرنا“ ”سبح سمندر کو پھاڑ دینا۔ اس کا سوکھ جانا“ ”پانی پر چلنا“ ”زمین کا ان کے لئے سمٹ جانا“ ”جمادات و حیوانات کا کلام کرنا“ ”حیوانوں کا ان کے مطیع ہو جانا“ ”بعض مصیبات کا خبر دینا“ ”تصرف کے مقام پر فائز ہونا زمین کے خزانوں پر مطلع ہونا“ ”پردوں کے باوجود کسی دور دراز واقع مقام کو دیکھ لینا“ ”مختلف صورتوں میں ڈھل جانا“ ”زمین کا اس کے تابع ہو جانا۔“ (خلاصہ انکشاف ص ۵۲ تا ۵۷)

اللہ کی ایک اور صفت جس میں دیوبندی حضرات غیر اللہ کو شریک کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے ”علیم بذات الصدور“ اللہ کی صفت ہے۔ دلوں کے راز گہرے سمندر کی تہہ کی مانند ہوتے ہیں سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر اس کی تہہ میں موتی تلاش کر لینا ناممکنات میں سے ہے اسی لئے کرنا کاتبین بھی دلوں کے رازوں سے بے خبر

ہوتے ہیں۔ لیکن اس گروہ کا اس بارے میں عقیدہ نرالا ہے۔

وسوسوں کا چور

تذکرۃ الرشید کے مصنف رشید احمد گنگوہی کے شاگرد مولوی ولی محمد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”ایک دن حلوہ کھانے کو دل چاہا لیکن پیسے نہ تھے۔ استاد کے پاس گئے تو وہ فرمانے لگے۔ آج تو حلوہ کھانے کو ہمارا جی چاہتا ہے۔ جب ولی محمد صاحب رقم لے کر حلوہ لے آئے تو فرمانے لگے میاں ولی محمد میری خوشی ہے کہ اس حلوے کو تم ہی کھاؤ۔ (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۴۲۷)

اب اس واقعہ پر شاگرد کے تاثرات سنیں۔

”حضرت کے سامنے مجھے جاتے ہوئے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے کیونکہ قلب کے وساوس (وسوسے) اختیار میں نہیں اور حضرت ان پر مطلع ہو جاتے ہیں۔“ کیا یہی ان کی وہ توحید ہے کہ جس کا ڈھنڈورا سارے جہاں میں ہے اور پھر تاویلات کا قلعہ تعمیر کر کے اس خدائی صفت کو کشف سے تعبیر کرتے ہیں۔

اسی قبیل کا ایک اور واقعہ سنیں:-

مولوی نظر محمد صاحب فرماتے ہیں کہ میری اہلیہ جس وقت آپ (گنگوہی صاحب) سے بیعت ہوئیں چونکہ مجھے طبعی طور پر غیرت زیادہ تھی اس لئے عورت کا باہر آنا یا کسی اجنبی مرد کو آواز سنانا بھی کوارا نہ تھا۔ اس وقت بھی یہ وسوسہ ذہن میں آیا کہ حضرت میری اہلیہ کی آواز سنیں گے مگر یہ حضرت کی کرامت تھی کہ کشف سے میرے دل کا وسوسہ دریافت کر لیا اور یوں فرمایا کہ اچھا مکان کے اندر بٹھا کر کواڑ بند کر دو۔ (تذکرۃ الرشید ۵۹/۲)

کیا یہ واقعہ پڑھنے کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے۔ بریلوی تو مشرک ہیں اور یہ
موصد۔

لیجئے لگے ہاتھوں ایک اور واقعہ بھی سن لیجئے۔ جسے تذکرۃ الرشید کے مصنف
بیان کرتے ہیں کہ

دل کا حال معلوم کرنا

ایک لڑکا دیوبندی ہو گیا اور باپ سے ناراض ہو کر گنگوہ آ گیا۔ مگر اسے اپنے
والد کی ناراضگی کا اکثر خیال آتا تھا۔ ایک دن (وہ لڑکا) حضرت صاحب کی خدمت
میں حاضر تھے۔ یکا یک حضرت صاحب نے ان سے ارشاد فرمایا کہ میں نے
تمہارے والد کی طرف خیال کیا تھا۔ ان کے قلب میں تمہاری محبت جوش مار رہی
ہے اور یہ خفگی صرف ظاہری ہے امید ہے کل پرسوں تک تمہارے بلانے کو اس کا خط
بھی آ جائے گا۔

چنانچہ دوسرے ہی دن ثناء صاحب (لڑکے کا والد) کا خط آیا۔ (تذکرۃ الرشید ۲/۲۲۰)
کیا یہی ہے اللہ کو اس کی صفات میں وحدہ لا شریک ماننے کا مطلب کہ میلوں
کی مسافت سے دل میں چھپی ہوئی محبت کا جوش مارا بھی معلوم کر لیا اور کل کی خبر
بھی دے دی۔

نہ توحید بگڑے نہ ایمان جائے

دلوں کے رازوں کو معلوم کرنے والے ماہرین کا ایک اور نقب قلب پڑھ لیجئے
”مولوی فخر احمد صاحب مولانا خلیل احمد صاحب کے پاس پیچ میں نمبر پتہ کرنے
کی غرض سے گئے۔ فرماتے ہیں کہ میں نتیجے کے متعلق کچھ عرض کرنا، خود ہی یہ فرمایا کہ

میاں فخر تمہارے جو بات سے ہم بہت خوش ہوئے۔ پرچہ سامنے ڈال دیا۔ دیکھ تمہارے نمبر سب سے زیادہ ہیں (یعنی سو نمبر میں سے صرف ایک یا دو کم) اور کسی کے نمبر اس قدر نہیں سب تم سے کم ہیں۔ اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید حضرت کو منکشف ہو گیا کہ میں نتیجہ امتحان کے متعلق خیال کر کے آیا ہوں۔“ (ارواحِ ثلاثہ ص ۳۱۸)

جب زلزلے کے مصنف نے اس عقیدے پر گرفت کی تو ارباب دیوبند نے یوں اظہار خیال کیا۔

اب ذرا دلوں کے خطرات کو بذریعہ کرامت معلوم کرنے کا فیصلہ خود صاحب فتوحات مکیہ سلطان الاولیاء محی الدین ابن عربی کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔ موصوف کرامت کی تقسیم کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ کرامت کی دو قسمیں ہیں ایک حسی اور دوسری معنوی۔ عوام الناس صرف کرامت حسیہ سے ہی واقف ہیں جیسے دلوں کی بات معلوم کرنا۔ مقیبات باقیہ کی خبر دینا۔ موجودہ غیب کی خبر اور آنے والی غیبی باتوں سے مطلع کرنا۔ دیوبندی مصنف اس کو دلیل بنا کر لکھتے ہیں۔ اب قارئین نظر انصاف بغیر کسی پاسداری کے غور کریں کہ کیا یہ خلاف شرع ہیں۔ جواب میں تلخی یا اثبات جو بھی پہلو اختیار کریں علامہ ابن عربی شیخ الاسلام صاحب فتوحات مکیہ کا ضرور خیال کریں۔ (انکشاف ص ۱۶۲)

ستار العیوب اور علام الغیوب اللہ ہی ہے لیکن ذرا ان کا عقیدہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا شاد عبد الرحیم صاحب رائے پوری کا قلب بڑا ہی نورانی تھا۔ میں ان کے پاس بیٹھنے سے ڈرتا تھا۔ کہ کہیں میرے عیوب منکشف نہ ہو جائیں۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۳۲۲)

ارواحِ ثلاثہ کی ایک اور روایت بھی پڑھتے جائیے۔
 امیر شہاد خان صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا مانتوی نے فرمایا۔
 مولوی محمد یعقوب صاحب دہلوی قلب کے اندر کے جو نہایت باریک چور ہوتے ہیں
 ان سے خوب واقف ہیں۔ (ص ۱۴۹)

دل نہ ہوا آئینہ ہوا کہ ادھر نظر اٹھائی ادھر دل کے وسوسوں پر مطلع ہو گئے۔
 نہایت باریک چور سے واقفیت کا دعویٰ وراصل ”الہ“ بننے کے دعوے کے
 مترادف ہے۔

کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ اپنے ایک بندے سے گناہ کے بارے میں
 کہے گا۔

سترتھا علیک فی الدنیا و انا اغفر ہالک الیوم۔ (متفق علیہ)
 دنیا میں میں نے ان گناہوں کو ڈھانک رکھا تھا آج میں ان کو معاف کرتا ہوں۔
 اب گناہوں کا علم اللہ ہی کو ہے اللہ نے ان گناہوں کو دنیا سے چھپائے رکھا۔
 لیکن جو قلب کے باریک چور سے واقف ہے اس کے لئے ہونے میں کیا شک ہے
 کیونکہ دلوں کے بھید جاننے کا دعویٰ صرف اللہ کا ہی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات
 سے ثابت ہوتا ہے۔

﴿قُلْ إِنْ تَخْفَوْنَ أَمَا فِيْ صُدُورِكُمْ أَوْ تَلْمِزُهُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران: ۲۹)
 اے نبی ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم کوئی بات اپنے دل میں چھپاؤ یا اسے ظاہر
 کرو اللہ اسے جانتا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْشِرُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ﴾

اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔

﴿وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾ (قصص: ۶۹)

اور تمہارا رب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں کیونکہ رب کا یہ اعلان ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ (آل عمران: ۵)

بے شک زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں۔

﴿وَنَعْلَمُ مَا تُوسُوسُ بِهِ نَفْسُهُ﴾ (ق: ۱۶)

ہم جانتے ہیں کہ اس کے دل میں کیا سوچے آتے ہیں۔

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نَفُوسِكُمْ

اللہ خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے۔

اب سینے کے رازوں میں غیر اللہ کو شریک کر کے شرک پرستی کی تعلیم نہیں دی جارہی اور ان تمام امور کو کشف نامی اصطلاح کے ذریعے مسلمان بنانے کے سعی کی جاتی ہے حالانکہ کشف معجزے کے قبیل سے ہے۔ جس طرح معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے اور نبی کے ہاتھ پر ہوتا ہے اسی طرح کشف بھی ہے۔ معجزہ بھی دائمی اور ہمہ وقتی نہیں ہوتا جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔

﴿إِنْ تَبْتَغِي نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بَأْيَةٌ﴾

یعنی معجزے دکھا دے ان لوگوں کو زمین میں سرنگ لگا کر یا آسمان پر سیرگی لگا کر۔ اسی طرح کشف بھی نبی ﷺ کے ہاتھ میں نہیں۔ (الانعام: ۳۵)

جیسا کہ اللہ نے جنگ موتہ اور بیت المقدس سے نقش کو مدینہ اور مکہ میں بٹھا

کر دکھنا دیا لیکن آپؐ سفر میں اونٹ کے نیچے امہات المؤمنین حضرت عائشہؓ کا گم شدہ ہار نہ دیکھ سکے۔

جس طرح معجزہ نبی کے ہاتھ پر ہوتا ہے اسی طرح کشف بھی نبی کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ غیر نبی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کشف امور غیبیہ میں ہے جس کے بارے میں رب کا یہ فیصلہ ہے۔

﴿فَلَا يُظْهِرُ غَيْبَهُ أَحَدًا إِلَّا مِنْ أَرْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ﴾ (جن: ۲۶)

اللہ اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جن کو رسولؐ چن لیتا ہے۔ اور چونکہ وحی منقطع ہو چکی ہے اور غیب جس کی اطلاع وحی کے ذریعے دی جاتی تھی۔

﴿ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ﴾ (عمران: ۴۴)

یہ غیب کی خبریں جن کی ہم آپؐ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ وہ آنے سے ہی ابداً کشف کا تو اب سوال ہی نہیں ہوتا اور پھر اللہ کے رسولؐ کی اس حدیث نے معاملہ صاف کر دیا۔

﴿لَمْ يَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْيَا

الصَّادِقَةُ﴾ (بخاری بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الرؤیا)

آثار نبوت میں سے مہشرات کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہا (صحابہ نے پوچھا مہشرات کیا ہیں؟ فرمایا اچھا خواب اب کشف کہاں رہا جو آثار نبوت میں ایک اہم جز ہے) باقی جو دلائل اغیار نبی میں دیئے جاتے ہیں سب ضعیف و کمزور سہارے ہیں۔ قرآن و حدیث کی تو یہ بات اب ذرا ان کی بھی سن لیں۔

مولوی اخلاق حسین نقاشی ایک واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں گویا ہوتے ہیں۔
 ”حاجی صاحب کے دل میں جو خیال گزرا حضرت مدنی کی قوت ایمانی نے
 اسے محسوس کر لیا۔ اسے اصطلاح میں کشفِ قلوب کہتے ہیں۔“ (شیخ الاسلام نمبر ص ۳۲۲)
 بغیر کسی دقت کے مخفی حال معلوم کر لیا انہی کی شان ہے اور پھر وہ بھی جزوقتی
 نہیں ہمہ وقتی۔ اسی کشفِ قلوب کی وجہ سے حاجی امداد اللہ مہاجر کی لکھتے ہیں۔
 ”نہدا حسین رسول شاعری مامی جو شخص دلی میں صاحب باطن تھا فرمایا کہ لازم
 ہے کہ ہزرگوں کے حضور میں دل کو خطرات و خیالات مہموار سے پاک رکھیں اپنے
 دل پر مراقب رہیں مبادا اثرِ دل مکرِ قلب اہل باطن پر پڑے اور کچھ اس کی زبان
 پر آجائے تو شرمندگی ہو۔“ (شہام امداد یہ حصہ دوم ص ۶۳)

دلوں کا رابطہ

اور صرف دل مکر کا اثر قلب اہل باطن پر ہی نہیں پڑتا بلکہ یہاں تو دل کو دل
 سے راہ ہے ”مولانا رفیع الدین صاحب نے فرمایا کہ مجھے حضرت ماما توی رحمۃ اللہ
 علیہ سے کچھ ایسی مناسبت تھی کہ جو کچھ مولانا کے قلب پر وارد ہوتا تھا اسی کا خیال
 مجھے گزرتا تھا اور میں وہی کرتا ہوں جو انہیں مکشوف ہوتا تھا۔“ (ابواب ثلاثہ ص ۲۵۸)
 وہ قالب یک جان کا محاورہ تو سنا ہوگا مگر یک قلب دو جان کا آج مظاہرہ دیکھ
 لیں۔ جائیداد کے قبضے تو دیکھے تھے آج قلوب کے قبضے بھی دیکھ لیں۔

دل پر قبضہ

مصنف درس حیات لکھتے ہیں:-

”والد صاحب مرحوم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت مولانا بشارت کریم

صاحب فرماتے تھے کہ میں نے بارہا آپ کے قلب پر نظر کی تو اس کو آپ کے شیخ کی توجہات سے معمور و مربوط پایا۔ آپ کے شیخ کا پورا قبضہ آپ کے قلب پر ہے اور آپ کے قلب کا پورا رابطہ شیخ کے ساتھ ہے۔ سبحان اللہ کشف قلوب کی کتنی عجیب مثال ہے۔ (درس حیات ص ۳۳۲)

یہ واقعہ حیرت سے منہ میں انگلیاں ڈال لیجئے۔ یہ ان لوگوں کی زبان ہے جن کے گلے اپنے آپ کو موصد کہتے کہتے خشک ہو چکے ہیں۔ بغیر سینہ چیرے پھاڑے قلب کی اندرونی بیرونی تہوں کو الٹ پٹ کر اندر کا حال بھی دیکھا اور واکی ٹاکی سیٹ یا وٹزلیس سسٹم کی طرح میلوں کی مسافت پر پیر و مرید کے قلوب خشک بھی دیکھئے۔ ستیا ماس اس جذبہ عقیدت کا جو انسان کو اکابر پرستی کروا کر ذلیل کروا دیتی ہے اور یہ تک بھول جاتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا، دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ جس طرح چاہے پھیر دے یعنی دل اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے یہاں مرید کا دل شیخ کے قبضے میں ہے شیخ ہیں یا اللہ۔

غیب کا پردہ چاک

مصنف درس حیات اپنے چھوٹے بھائی کا واقعہ لکھتے ہیں کہ والد صاحب حکیم تحریمہ کیلئے ہاتھ کانوں تک اٹھا چکے تھے۔ قاری اشرف الدین نے کھیل میں مشغول ہوا چاہا اور سوچا کہ انگو میرے کھیل کی خبر نہ ہوگی لیکن ان کو فوراً کشف ہو گیا اور اچانک ہاتھ کانوں سے بنا کر پیچھے مڑ کر دیکھا اور مجھ کو زور سے ڈانٹا۔ (درس حیات ص ۲۲۲)

قصہ بیان کرنے کا مطلب ہی یہی ہے کہ ثابت کیا جائے کہ والد صاحب غیبی پردوں کو چماک کر کہے نہی کسی بمسری

کرنے جا رہے ہیں کیونکہ اللہ کے رسول نے فرمایا:

اقبموا صفوفکم وترآصوا فانی اراکم من وراء ظہری

صفوں کو سیدھا کرو اور ایک دوسرے سے مل جاؤ پس میں دیکھتا ہوں تم کو

پیچھے سے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری باب تسویۃ القف)

یہ نبی کا خاصہ ہے اور اللہ نے نبیؐ کے لئے غیب کا پردہ چاک کیا اور یہاں

مصنف درس حیات اپنے والد کے لئے غیب کا پردہ چاک کر رہا ہے کہ والد صاحب

کو چھوٹے بھائی کے کھیل کا نوراً کشف ہو گیا۔ "یا للعجب"

حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

"بعضے لوگ ہمارے قافلے میں ایسے موجود ہیں کہ اپنے دل میں (کچھ بات)

خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں (دل ہی میں) کہ اگر یہ (حضرت صاحب قبلہ مدظلہ)

مطلع ہو کر بتلا دیں تو البتہ شیخ ہیں مذکوروں کا امتحان لیتا ہے ادبی ہے ان کو کیا

ضرورت ہے کہ تمہارے دل کا حال بیان کریں" (شائم امدادیہ حصہ دوم ص ۶۳)

یعنی معلوم تو سب کچھ ہے مگر بتلائیں گے نہیں کیونکہ امتحان ہے ادبی کے

زمرے میں آتا ہے ورنہ مولوی عبدالرشید صاحب سوالات کرنے والے شخص کو پہلے

ہی جوابات دے دیتے۔ (نقیب کا مصلح امت نمبر ص ۵)

گوئگوں کی زبان

لیجئے گوئگوں کی زبان میں اشاروں کے بغیر گفتگو کا طریقہ بھی سنئے۔

مولوی محبت الدین فرماتے ہیں کہ حضرت پیر و مرشد ایک مجمعے میں تشریف لے

گئے وہاں ایک شیخ بہت ہی ضعیف تھے۔ انہوں نے اپنے پاس بٹھایا۔ اور حضرت کی

طرف متوجہ ہوئے آپ نے بھی توجہ کی۔ اتنے میں کسی نے کہا یہ بھی فارسی جانتے ہیں ان سے آپ فارسی میں کلام کیجئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھ کو بات چیت کی حاجت نہیں ہے۔ دس گیارہ منٹ کے بعد وہ شیخ کے قدموں پر گر پڑے۔

(شام امدادیہ حصہ سوم ص ۹۸)

مولانا نواتوی صاحب درس مثنوی دے رہے تھے۔ ایک صاحب درس سن کر کہنے لگے کاش آپ کو باطنی علم بھی ہوتے۔ حضرت مولانا نے ازراہ انکسار فرمایا: جی ہاں میں ایسا ہی حرم ہوں۔ اگر آپ ہی مجھ پر نظر شفقت فرما دیں تو میری نیک نصیبی ہے۔ اس پر وہ بزرگ متوجہ ہو کر مراقب ہوئے۔ ادھر حضرت مولانا بھی نسبت کے ساتھ مراقب ہوئے تھوڑی دیر میں وہ بزرگ ہاتھ جوڑ کر اٹھے کہا مولانا مجھے خبر نہ تھی کہ آپ میں یہ جوہر بھی علی الوجہ الائم موجود ہے۔ (ارواح ثلاثہ ص ۲۷۵)

دیکھا آپ نے بولے بغیر ہی سب کچھ کر گئے۔ لیجئے اب بغیر بلاوائے ہی ملاقات کر لی امداد اللہ شاد صاحب کے ایک مرید مولانا محمد حسین کا مراقبہ پڑھئے فرماتے ہیں:-

”ایک دن ظہر کے بعد میں اومولوی منور علی اور ملا محبت الدین صاحب کوئی ضروری بات عرض کرنے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت حسب معمول اوپر جا چکے تھے۔ کوئی آدمی تھا نہیں کہ اطلاع کرائی جاتی۔ آواز دینا ادب کے خلاف تھا۔ آپس میں مشورہ یہ کیا حضرت کے قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائیں۔ بات کا جواب مل جائے گا یا خود حضرت تشریف لائیں گے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ حضرت اوپر سے نیچے تشریف لائے ہم لوگوں نے معذرت کی۔ اس وقت حضرت لیٹے ہوئے تھے۔ ماحق تکلیف ہوئی ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے لینے بھی نہ دیا کیونکر لینا۔ (کرامات امدادیہ ص ۱۳)

مراقبہ نہ ہوا وائز لیس سیت ہوا۔ خبر رسائی کا سستا اور برق رفتار ذریعہ۔ نہ بلانے والے کو زحمت اور نہ خود ہلے چلے۔ صرف گردن جھکانی گنجل دیا اور وصول کر لیا۔ اللہ رے یہ ستم۔ دل کے دروازے چوپٹ کھلوانے کا ایک اور حیرت انگیز واقعہ سن لیجئے۔ تذکرۃ الرشید کا مصنف لکھتا ہے

فلم بنی

''ایک دن مولوی امیر شاہ خان صاحب نے حضرت (گنگوہی) قدس سرہ سے ایک قصہ بیان کیا کہ مسجد حرام میں ایک بزرگ کے پاس ایک نو عمر درویش آئے اور بیٹھ گئے بزرگ درویش سے مخاطب ہو کر کہنے لگے بھائی تمہارے قلب میں بڑی اچھی چیز ہے ان بچاروں نے اپنا حال چھپا چاہا مگر انہوں نے پردہ ہی فاش کر دیا۔ کہنے لگے تمہارے قلب میں عورت کی شبیہ ہے اس کی ناک ایسی ہے اور آنکھیں ایسی ہیں اور بال ایسے ہیں۔

غرض تمام حلیہ بیان کر دیا۔ اس وقت وہ درویش بہت مادم ہوئے اور اقرار کیا کہ بے شک آپ سچ فرماتے ہیں۔ ابتدائے جوانی میں مجھے ایک عورت سے عشق ہو گیا ہر وقت اس کے دھیان میں رہنے سے اس کی شبیہ میرے قلب میں اُٹ گئی اب جب بھی طبیعت بیقرار ہوتی ہے تو آنکھ بند کر کے اس کو دیکھ لیتا ہوں کچھ سکون ہو جاتا ہے اور طبیعت ٹھہر جاتی ہے حضرت گنگوہی نے یہ قصہ سن کر کہا 'بھائی یہ کچھ زیادہ غلبہ نہیں ہے کیونکہ ان کو آنکھیں بند کرنے اور قلب کی طرف متوجہ ہونے کی نوبت پہنچتی تھی۔ میرا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ برسوں یہ تعلق رہا ہے کہ بغیر آپ کے مشورے کے میری نشت و برخاست نہیں ہوئی۔ حالانکہ حاجی صاحب مکہ

میں تھے اور اس کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعلق برسرِ رہا ہے۔

(امداد المصالح ص ۱۹۹، بحوالہ تذکرۃ الرشید ص ۱۹۳)

دل نہ ہوا ویڈیو سنٹر ہوا کہ فلمیں رکھی ہوئی ہیں۔ جب چاہا فلم دلدار کی دیکھ لی اور حضرت بھی اس کے دل کی سکریں پر آئی ہوئی عورت کو دیکھ رہے ہیں۔ اور علیم بذات الصدور والی صفت کا اعلان کر رہے ہیں۔

جنتی دوزخی کی پہچان

عبد القادر شاہ صاحب کی غیب دانی کا تذکرہ مولوی عبد القیوم صاحب اس طرح کرتے ہیں کہ شاہ صاحب اکبری مسجد کی سہ دری میں بیٹھا کرتے تھے۔ بازار آنے جانے والے آپ کو سلام کیا کرتے تھے۔ سو اگر سنی سلام کرتا تو آپ سیدھے ہاتھ سے جواب دیتے اور شیعہ سلام کرتا تو اٹھنے ہاتھ سے جواب دیتے تھے۔ یہ بیان کر کے مولوی عبد القیوم صاحب فرماتے ہیں کہ کیا کہہ دوں۔ (ارواح ملاح ص ۶۶)

المومن ينظر بنور الله یعنی مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

المومن ينظر بنور الله کا فقرہ چیخ چیخ کر بتلا رہا ہے کہ شیعہ سنی کا امتیاز ظاہری علامت پر نہیں اس غیبی قوت اور اک کے ذریعے تھا جس کی تعبیر مولوی عبد القیوم نے نور الہی سے کی ہے۔ اور یہ ادراک کوئی ایک آدھ دن کی بات نہ تھی بلکہ ہر روز کا معمول تھا۔ اس لئے اس واقعے پر ایک بریلوی عالم یوں گویا ہوئے۔

”شاہ عبد القادر صاحب کے حق میں تو کشف احوال کی ایک دائمی اور ہمہ وقتی قوت تسلیم کر لی گئی ہے جو قوت بینائی کی طرح انہیں ہر وقت حاصل رہا کرتی تھی۔ لیکن شرم سے منہ چھپا لیجئے کہ نبی مرسل ﷺ کے حق میں کشف احوال یہی دائمی

اور ہمہ وقتی تسلیم کرتے ہوئے ان حضرات کا عقیدہ تو حید مجروح ہو جاتا ہے اور شرک کے نم میں شب و روز سلگتے رہتے ہیں۔“

یہ حضرات صرف شیعہ اور سنی میں ہی امتیاز نہیں کرتے بلکہ بقول حاجی امداد اللہ صاحب کے غارف جنتی و دوزخی کو اسی دنیا میں جان لیتا ہے۔ (ثام لہاد یہ حصہ سوم ص ۸۵)

اصلی چہرہ

یہی تو علم غیب ہے اسی لئے ایک جگہ دیوبندی عالم زلزلہ کی گرفت کا جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے۔

اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ تمام واقعات اس پر مشاہد ہیں کہ حضرت مولانا گنگوہی بذریعہ کرامت دلوں کے خطرات پر مخفی امور کے مشاہدات پر مطلع ہو گئے تو پھر اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ (اکشاف ص ۱۷۵)

آگے لکھتے ہیں اب امور غیب کا مشاہدہ بھی امام غزالی کے قلم سے ملاحظہ فرما لیجئے تاکہ دلوں کے خطرات کے ساتھ امور غیبی کے مشاہدات کا شبہ بھی زائل ہو جائے اور قارئین خوب سمجھ لیں کہ یہ چیزیں بندے کو بھی بذریعہ کشف و کرامات حاصل ہوتی ہے۔ (اکشاف ص ۱۷۶)

ایک جگہ لکھتے ہیں:-

مکاشفات کو علم غیب بتانے والے علم و فن سے کورے سخت جاہل اور مزاج شریعت سے ما آشنا ہیں۔ (اکشاف ص ۱۲۶)

کل کسی کے ساتھ کیا ہوگا۔ اس کا علم بھی حضرت صاحب کو بخوبی تھا۔

علم غیب کا کمال

ارواحِ ثلاثہ کے روای فرماتے ہیں ”مولانا گنگوہی حج کے اردے سے اُٹھے۔ بحری جہاز کی روانگی کو دیر ہو گئی۔ لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ اب حج نہیں مل سکتا اور جہاز سے اترنا شروع کیا۔ جب مولانا کو معلوم ہوا کہ لوگ اترنے لگے ہیں تو آپ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دو کہ عزم حج فسخ نہ کریں ہمیں حج ضرور ملے گا۔ کیونکہ میں عرفات میں مزدلفہ میں اور منیٰ میں اپنے آپ کو دیکھ چکا ہوں۔ کچھ لوگ رہ گئے باقی اور کچھ بھی پھر اتر گئے۔ مولانا نے حافظ عطاء اللہ کو عادت کے خلاف خود سمجھایا۔ مولانا نے اقرار کر لیا کہ اب میں نہ اتروں گا مگر باوجود اس کے بھی وہ اتر گئے۔ مولانا کو جب ان کا اترنا معلوم ہوا تو آپ کو بہت ملال ہوا اور آپ نے فرمایا کہ ناحق اتر گئے۔ بس جی ان کی قسمت ہی میں حج نہیں۔ اس کے بعد حافظ صاحب ہر سال حج کا ارادہ کرتے مگر کوئی نہ کوئی مانع پیش آ جاتا اور نا انتقال ان کو حج میسر نہ ہوا۔ ایک دفعہ تو یہاں تک ہوا کہ تیاری پوری ہو گئی یکہ بھی آ گیا۔ سوچا ذرا دیر لیٹ جائیں لیٹ کر سوار ہوں گے۔ لیٹنے سے کمر میں اتنا زور کا جھٹکا آیا کہ اب وہ سفر کے قابل ہی نہ رہے۔ میں نے مولانا سے ایک جلسے میں عرض کیا کہ حافظ صاحب ہر سال حج کا ارادہ کرتے ہیں۔ مگر ان کو حج نصیب ہی نہیں ہوتا۔ ایک دفعہ حضور نے فرمایا تھا ان کی قسمت ہی میں حج نہیں۔ آپ ان کے لئے دعا فرمادیں کہ ان کو حج مل جائے۔ مولانا نے دعا نہیں فرمائی اور فرمایا یہ تمہارا خیال ہے مگر میں اس قابل نہیں ہوں۔ پھر عرض کیا مگر آپ نے ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۳۰۳)

مولانا کا یہ کہنا کہ حج ضرور ملے گا اپنے علم غیب کی صداقت پر پختہ ایمان کی دلیل ہے اور پھر یہ فرمانا کہ ان کی قسمت ہی میں حج نہیں۔ نوہتہ تقدیر سے، غیبی علم کے ذریعے پڑھ کر بتلانا ہے یا تقدیر کا اپنے ہاتھ سے کھننا۔ کوئی بھی عقیدہ رکھیں۔ شرک کی آلودگی سے بچ نہیں سکتے کہاں ہے توحید کا وہ زعم باطل۔ جس کو بنیاد بنا کر بریلوی حضرات پر چڑھائی کر رکھی ہے۔

علم غیب کی بلند یوں کو چھوٹا ان حضرات کے دائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اسی قسم کا واقعہ سنئے۔

ایک دن حاجی امداد اللہ مہاجر کی نے خواب دیکھا کہ مجلس اعلیٰ و اقدس حضرت سرور عالم مرشد اتم ﷺ بنی آلہ و ازواجہ و اتباعہ و علم میں حاضر ہوں۔ غایت رعب سے قدم آگے نہیں پڑتا ہے کہ ناگاد میرے جذامیہ حضرت حافظ باقی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر حضور حضرت نبی کریم ﷺ میں پہنچا دیا آنحضرت نے میرا ہاتھ لے کر حوالہ حضرت میانجو صاحب چشتی قدس سرہ کے کر دیا اور اس وقت بعالم ظاہر حضرت میانجو صاحب رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ سے کسی قسم کا تعارف نہ تھا بیان فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا عجیب اشتراک و حیرت میں مبتلا ہوا کہ یا رب یہ کون بزرگوار ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے میرا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا اور خود مجھ کو ان کے سپرد فرمایا۔ میرے استاذی نے میرے اضطراب کو دیکھ کر حضرت میانجو صاحب سے ملاقات کرنے کو کہا میں آستانہ شریف پر حاضر ہوا اور جیسے ہی دور سے جمال باکمال جناب ثمان ملاحظہ کیا۔ صورت انوار کو کہ خواب میں دیکھا تھا۔ بخوبی پہچانا اور محو خود رفتگی ہو گیا اور افقاں و خیزاں ان کے حضور میں پہنچ کر قدموں میں گر پڑا۔ حضرت میانجو صاحب قدس اللہ سراد نے میرے سر کو اٹھایا اور

اپنے سینے نور گنجینہ سے لگا لیا اور کمال رحمت و عنایت فرمایا کہ تم کو اپنے خواب پر کامل وثوق و یقین ہے۔ یہ پہلی کرامت منجملہ کرامات حضرت میا نجو صاحب کی ظاہر ہوئی۔ (شام امدادیہ ص ۱۰)

خواب کی بات کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ لیکن میا نجو صاحب کا یہ کہنا کہ تمہیں اپنے خواب پر کامل و وثوق و یقین ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب کی بات نہیں بلکہ بیداری میں سب کچھ ہو گیا۔ ورنہ ان کو کیسے معلوم ہو گیا کہ امداد اللہ کو یہ خواب آیا اور پھر حاجی امداد اللہ صاحب کے اس جملے نے معاملہ سلجھا دیا کہ ”یہ پہلی کرامت منجملہ کرامات حضرت میا نجو کی ظاہر ہوئی“ خواب میں آما اور نبی کے ہاتھ میں حاجی امداد اللہ کا ہاتھ دینا اور نبی کا میا نجو صاحب کو پیش کرنا اور میا نجو صاحب کا حاجی صاحب کو خواب کے بارے میں بتلانا کرامت ہے یا علم غیب کی کشادگی۔

اگر ذہن پر بار نہ ہو تو اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی پڑھتے جائیے۔

”رشید احمد گنگوہی اپنی قید کا ذکر کرتے ہیں کہ حضرت (حاجی امداد اللہ) گنگوہ تشریف لائے اور یہاں خبر تھی کہ میں اب رہا ہوا اب رہا ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کے چھوٹے میں ابھی دیر ہے ہم اس سے مل آئے ہیں۔ انہی یام میں کہ میں قید خانہ میں تھا خواب میں آپ تشریف لائے کو یا میرے پاس تشریف رکھتے ہیں اور تسلی فرماتے ہیں۔ پھر حضرت یہاں سے تشریف لے گئے اور میں ایک ماہ بعد چھوٹ آیا۔

(امداد المصالح ص ۱۸۳ بحوالہ تذکرۃ الرشید ص ۲۶۹)

نبی کا خواب تو حقیقت پر مبنی ہوتا ہے کیونکہ نبی کا خواب بھی وحی الہی ہے۔ لیکن یہاں انہی کا خواب حقیقی بن رہا ہے۔ کہ خواب میں آما دراصل حقیقی آما تھا۔ معلوم نہیں یہ کیا چکر ہے ”کو ننگے کی باتیں کو ننگے کی ماں ہی جانے“

عبدالوحید صدیقی صاحب، حسین احمد مدنی کی غیب دانی کے ذیل کے واقعات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ایک دن حضرت کے نام پانوں کا پارسل آیا۔ جس کا علم نیر جی صاحب (جنیلر) کو ہی تھا اور کسی شخص کو نہ تھا۔ موصوف نے وہ پارسل نظر احتیاط روک لیا۔ جیسے ہی جناب نیر جی صاحب حضرت کے سامنے آئے۔ حضرت نے فرمایا کیوں صاحب آپ نے میرا پانوں کا پارسل روک لیا ہے خیر کچھ حرج نہیں۔ آج اس میں سے صرف چھ پان دے دیجئے۔ پرسوں تک دوسرا پارسل آ جائے گا۔ جناب نیر جی صاحب کو بڑا تعجب ہوا کہ اس واقعہ کا علم حضرت صاحب کو کیسے ہوا۔ تیسرے دن صہ ارشاد پانوں کا پارسل آیا اور موصوف کو خیال ہوا کہ یہ کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ کوئی پہنچے ہوئے فقیر معلوم ہوتے ہیں۔ (دہلی کا عظیم مدنی نمبر ص ۴۸)

ذیل کا دوسرا واقعہ بھی سن لیجئے:-

جنیلر نے مولانا کا سنہ شدہ خط انہیں دے دیا۔ اسی جرم میں باز پرس ہوئی اور معطل ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد مولانا کی خدمت میں آئے۔ دیکھتے ہی مسکرا کر مولانا نے فرمایا پان جو دینے تھے اس سے معطل ہوئے۔ پان نہ دیتے تو کیا ہوتا ان کو خست حیرت تھی کہ یہ واقعہ ابھی ابھی دفتر میں ہوا ہے کسی کو خبر تک نہیں۔ انہیں کیونکر علم ہوا۔ انہوں نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا تو فرمایا، ان شاء اللہ کل تک بحالی کا حکم آ جائے گا تم مطمئن رہو۔ ان کی حیرت کی انتہا نہ تھی دوسرے دن ڈاک میں جو پہلی چیز ہاتھ میں آئی، معطلی کے حکم میں منسوخ اور بحالی تھی۔ (دہلی عظیم مدنی نمبر ص ۴۳)

ان دونوں واقعات میں گزشتہ کی خبر بھی دے دی اور آئندہ کا حال بھی بتلا دیا۔ علم غیب آخر یہ علم نہیں تو کونسا علم ہے جس کا غیر میں اعتقاد رکھنے والا مشرک

ہو جاتا ہے۔

ایسا ہی واقعہ اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں:-

جوتوں کی پہچان

ایک مجمع میں قاسم ماما توی صاحب کا جوتا بدلا گیا۔ احباب ۱۳ ش میں تھے۔ حاجی امداد اللہ صاحب تشریف لائے اور فرمانے لگے بدلا ہوا جوتا ہمیں دکھاؤ۔ چنانچہ حضرت مولانا گنگوہی خود اس جوتے کو اٹھا کر اعلیٰ حضرت کے پاس لے گئے اعلیٰ حضرت نے چٹاٹ کے سامنے دیکھ کر فرمایا یہ تو حبیب حسن کا ہے۔ حبیب حسن حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے ساتھیوں میں ایک لڑکا تھا، لیکن اس درجہ اجنبی تھا کہ اعلیٰ حضرت کو اس کے متعلق کبھی تعارف نہ ہوا تھا۔ (مذکرہ المتعاق ص ۱۷۲)

دیوبند کے مولوی محمد نسیم صاحب ایک واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان حضرات کے غیب کے علم کا ذریعہ کیا ہے۔

(مذکرہ ج ۲ ص ۱۳۲)

”شیخ ہرچہ کوید دیدہ کوید“ شیخ جو کچھ کہتا ہے دیکھ کر کہتا ہے۔

یہ غیب کی نفی ہے یا اثبات، اور اگر کبھی آنکھ شیطان کا کہا مان کر دھوکا دے جائے تو کیا ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے

معدہ عالم الغیب

ارواحِ ثلاثہ کے راوی بیان کرتے ہیں کہ مولانا مظفر حسین بہت محتاط تھے۔ کبھی مشتبہ مال نہ کھاتے تھے اور بھولے سے غلطی سے کھا لیتے تھے تو فوراً تے ہو جاتی۔

(ارواحِ ثلاثہ ص ۲۱۸)

آنکھ اگر غلطی کرتی تھی تو دوسرے جوارح ساتھ نہیں دیتے تھے۔ پیٹ ایسی مشتبہ غذا کو قبول ہی نہیں کرتا تھا۔ اس کا مطلب کیا یہ نہیں کہ ان کا پیٹ بھی علم غیب کا سرچشمہ ہے ورنہ ابو بکرؓ نے اس دودھ کو انگلی مار کر باہر نکالا جس کے بارے میں آپ کو بتلایا کہ یہ ناجائز طریقے سے آیا تھا۔ خود بخود تے نہ ہوئی۔

ان حضرات نے اللہ کی اس صفت عالم الغیب کو اتنا سستا کر دیا کہ ان کے حضرات تو حضرت رہے بندوہوں کے لئے بھی غیبی قوت تسلیم کر لی جیسا کہ حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ ”ایک شخص محبت اللہ جو کہ پہلے قوم بنود سے تھا اس نے قبل اسلام اتنی محنت کی تھی کہ چودہ طبق تک نظر پہنچتی تھی۔ (ثام امداد یہ ص ۷) اسی طرح ایک جگہ پر حاجی صاحب فرماتے ہیں۔

”لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیاء اور اولیاء کو نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں دریافت و ادراک غیبات کا ان کو ہوتا ہے۔

(ثام امداد یہ حصہ سوم ص ۲۱)

اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں ”ایک دفعہ حاجی امداد اللہ صاحب بستر سے ہی غائب ہو گئے جب انگریز تاشی لینے کے لئے گھر آیا۔ تذکرۃ الرشید کا مصنف اس بارے میں لکھتا ہے غالباً حضرت کو کشف سے یہ حال آمد انگریز کا معلوم ہو گیا ہوگا کہ پہلے سے تشریف لے گئے۔ (امداد امحاق ص ۷۴ بحوالہ تذکرۃ الرشید ص ۴۲)

کیسے صفائی ہے ہاتھ کی کہ آنے والے حالات کا علم رکھنے کو کشف سے تعبیر کر کے کیسی چالاکی سے دنیا کی آنکھ میں دھول جھونک دی۔

فقاریہ و دروہوں کو ایک طرف رکھ کر ان کے عقیدہ غیب کو ان ہی کی زبان سنئے۔ مولوی انوار الحسن ہاشمی مبلغ دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں۔

”بعض کامل الایمان بزرگوں کو جن کی عمر کا بیشتر حصہ تزکیہ نفس اور روحانی تربیت میں گزرتا ہے باطنی اور روحانی حیثیت سے ان کو منجانب اللہ ایسا ملکہ راسخی حاصل ہو جاتا ہے کہ خواب یا بیداری میں ان پر وہ امور خود بخود منکشف ہو جاتے ہیں جو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں“ (بہشت دارالعلوم ص ۱۲)

دیکھا آپ نے اپنے شیوخ کے حق میں ملکہ راسخی نامی دائمی اور ہمہ وقتی قوت تسلیم کر لی۔ یہی تنہا قوت ان تمام محفیات ”جو دوسروں کے لئے پوشیدہ ہیں“ کے انکشاف کے لئے کافی ہے اور جب بریلویوں کے ارشد القادری نے زلزلہ نامی کتاب لکھ کر دیوبندیوں کو ماکوں چنے چبوائے ان کا مطلقہ بند اور جینا حرام کر دیا، نیندیں اڑا دیں اور سکون چھین لیا تو انہیں اپنے اصلی چہرے کے ساتھ سامنے آنا پڑا اور ”زلزلہ در زلزلہ“ نامی کتاب لکھ کر اوصار چکانے کی ماکام کوشش کی اور اپنے نظریہ علم غیب کی یوں غیبی تشریح کی

”علمائے دیوبند اس بات کے قائل ہیں کہ غیب کی بات فیض الہی کے بغیر کسی کو نہیں معلوم ہو سکتی لیکن ساتھ ہی وہ اس بات کے قائل ہیں کہ بعض علوم غیبیہ انبیاء اولیاء اور اصفیاء کو تو چھوڑے معمولی لوگوں کو بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔“ (زلزلہ ص ۹۸)

اسی طرح ایک جگہ یوں فرمایا ”ہر دور میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جنہیں پرہر گار عالم نے نوازا اور بہت سی مخفی باتیں بتائیں۔“ (زلزلہ در زلزلہ ص ۱۱۳)

ایک جگہ یوں گویا ہوئے علمائے دیوبند ہرگز یہ نہیں کہتے کہ اللہ کے علاوہ غیب کی کوئی بات کسی کو بھی معلوم نہیں ہو سکتی۔ (زلزلہ در زلزلہ ص ۱۰۱)

اب بنی مابا ت۔ اپنے اصل عقیدے کو ظاہر کر دیا۔ اب ایک طرف ان کا یہ عقیدہ ہے ”بعض معلوم غیبیہ انبیاء، اولیاء، اور اصفیاء کو تو چھوڑیے، معمولی لوگوں کو بھی معلوم ہو جاتے ہیں“

ہر دور میں ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جنہیں پروردگار عالم نے نوازا اور بہت سی مخفی باتیں بتلائیں۔

علماء دیوبند یہ ہرگز نہیں کہتے کہ اللہ کے علاوہ غیب کی کوئی بات کسی اور کو بھی معلوم نہیں ہو سکتی۔

”ان پر وہ امور خود بخود منکشف ہو جاتے ہیں جو دوسروں کی نظروں میں پوشیدہ ہیں“

اور دوسری طرف قرآن کا یہ نظریہ پڑھیے۔

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ﴾

اللہ تعالیٰ تمہیں غیب پر اطلاع نہیں دیتا اور لیکن جس کو چاہتا ہے رسولوں میں سے چن لیتا ہے۔ (آلایہ)
اسی طرح ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿عَالَمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنْ ارْتَضَى مِنْ رَّسُولٍ﴾

اللہ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جن رسولوں کو وہ

پس لیتا ہے۔

اللہ نے غیب بتلایا صرف انبیاء کو اور بتلائی ہوئی بات کو اصطلاح میں غیب نہیں کہتے اور یہی غیب "بلغ ما انزل الیک" نبی نے اپنے صحابہ کو بتلایا اور ہم تک پہنچا۔ لیکن یہاں مسلمان تو مسلمان ہندو بھی جانتا ہے اولیاء اور اصفیاء تو ایک طرف معمولی آدمی بھی جانتا ہے اور خاص دور کے لئے نہیں ایسے افراد ہر دور میں پیدا ہوئے اور نبی کو تو جب تک اللہ اظہار نہ دے اسے علم نہیں ہوتا لیکن ان میں ایسی قوت دہنی پیدا ہوتی ہے جو خواب ہو یا بیداری مخفی امور کا انکشاف کرتی رہتی ہے۔ ایک طرف قرآن کا عقیدہ ہے اور دوسری طرف علماء دیوبند کا۔ انصاف کا ترازو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ انصاف کریں کہ کیا یہ حضرات اللہ کی اس صفت میں اپنے شیوخ کو شریک نہیں کرتے؟

بارش کا علم

اس بات کا علم کہ بارش کب ہوگی۔ اللہ ہی جانتا ہے اور اللہ نے اسے غیب کی کنجیوں میں سے کنجی قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ (الانعام: ۵۹)

غیب کی کنجیاں اللہ کے پاس ہیں اور ان کی کنجیوں کو کوئی نہیں جانتا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے کنجیوں کی تفصیل بتلائی وہ پانچ ہیں اور قرآن کی یہ آیت تاویلت کی۔

﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾

بے شک اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہ بارش برساتا ہے اور جانتا ہے
ارحام میں جو کچھ ہے۔ کوئی انسان یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں
جانتا کہ کس سرزمین پر اس کی موت آئے گی۔ (لقمان: ۳۳)

لیجئے ان پانچ کنجیوں میں سے ایک کنجی ”کہ بارش ہوگی یا نہیں“ کا علم علماء
دیوبند کے پاس ہے۔ مولوی جمیل الرحمن کانگریس کے ایک جلسے کا ذکر کرتے ہیں
جس میں معین احمد بھی شریک تھے۔

”نہیں وقت جلسہ سے کچھ پہلے اچانک آسمان ابر آلود ہو گیا۔ موسم کا رنگ دیکھ
کر منظمین جلسہ سر اٹھ ہو گئے۔ اسی دوران جامع الروایات غفرلہ (واقعہ نگار) کو
جلسہ گاہ میں ایک برہنہ سر مجذوبانہ ہیئت کے غیر متعارف شخص نے سلجھدہ لے جا کر
ان الفاظ میں ہدایت کی کہ

”مولوی معین احمد سے کہہ دو کہ اس علاقے کا صاحب خدمت میں ہوں اگر وہ
بارش ہونا چاہتے ہیں تو یہ کام میرے توسط سے ہوگا۔

راقم الحروف اسی وقت خیمے میں پہنچا جس پر حضرت والا نے آہٹ پا کر مہرہ
معلوم فرمائی اور اس پیغام کو سن کر ایک عجیب پر جاہل انداز میں بستر استراحت ہی
پر سے ارشاد فرمایا:

”کہہ دیجئے بارش نہیں ہوگی۔“ (شیخ الاسلام نمبر ص ۳۳۰)

”بارش نہیں ہوگی“ کا جملہ بستر استراحت سے ہی ارشاد فرمایا، اس امر کا اظہار تھا
کہ عالم کے مگوینی اختیارات اس مجذوب کے ہاتھ میں نہیں بلکہ میرے ہاتھ میں
ہیں۔ جب چاہوں بارش برسا کر جمل تھل کر دوں اور جب چاہوں بارش روک کر قحط
سالی میں مبتلا کر دوں۔ میں بلا شرکت غیر سے مالک ہوں بغیر آسمان کا رنگ دیکھتے اس

فقرے کا ارشاد فرما اں فیہی کنجی کا اپنے ہاتھ میں لیا ہے جس کو اللہ نے اپنے لئے خاص کیا ہے۔ ”ویسے حضرت کے فقرے میں جزم و یقین کس غضب کا ہے۔“

اسی طرح ایک دوسرے واقعے میں ان حضرات کا کاروبار عالم میں اقتدار و اختیار کا تقاضا دیکھئے۔ رانی ساگری صاحب کی صاحبزادی ثامنہ خاتون کی یادداشت سے نقیب کے اسی مصلح امت نمبر میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ موصوفہ بیان کرتی ہیں کہ

بارش پر کنٹرول

”جب ہمارا گھر بننے لگا تو والد صاحب قبلہ کی ہدایت کے مطابق سب سے پہلے پانچخانہ میں ہاتھ لگا۔ وہ زمانہ برسات کا تھا۔ لیکن بارش نہیں ہو رہی تھی۔ دھان کی روپنی ہو چکی تھی۔“

کسان سخت پریشان تھے میں نے والد صاحب سے درخواست کی کہ بارش کیلئے دعا فرما دیجئے فرمایا بارش کیسے ہوگی، اپنا پانچخانہ جو بن رہا ہے خراب ہو جائے گا۔ میں نے پوچھا کب تک پانچخانہ بن جائے گا۔ بولے دیوار مکمل ہوگئی ہے رات کو چھت کی ڈھلائی ہو جائے گی میں خاموش ہوگئی۔ دو دن بعد خوب زوردار بارش شروع ہوگئی۔ والد صاحب گھر پر ہی تھے، میں نے پوچھا بارش ہونے لگی اب تو پانچخانے میں نقصان ہوگا۔ فرمانے لگے نہیں بیٹا اب فائدہ ہوگا۔ میں نے پھر پوچھا تو کیا پانچخانے ہی کے لئے بارش رکی ہوئی تھی۔ والد صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا، صرف مسکراتے رہے۔ اں وقت والد صاحب تندرست تھے (نقیب کا مصلح امت نمبر ص ۲) اں خود مختار تصرف پر ایک بریلوی عالم کا تبصرہ ماحوت فرمائیں۔

پا پھر یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کاروبار ہستی میں ان کی ذاتی خواہش اتنی ذلیل

اور بارش تھی کہ اگرچہ زمین کا سینا تپتا رہا۔ فصل جلتی رہی اور کاشتکار کی آہیں باب رحمت پر سرپکنتی رہیں لیکن جب تک ان کا پانچواں تیار نہیں ہو گیا بارش کو چاروں چار رکن پڑا ”بارش کیسے ہوگی“ کا فقرہ بھی واضح طور پر اس رخ کو متعین کرتا ہے۔

”کاروبار عالم میں ان کے شیوخ کے اثر و رسوخ کا یہ عالم ہے“

دیوبندی عالم بارش پر کنٹرول ہونے کے بارے میں جامع الاولیاء کے حوالے سے شیخ ابوالعباس کے متعلق لکھتے ہیں ”وہ بارش پر اتنے قابو یافتہ تھے کہ بارش کو پیسے لے کر معاوضے میں فروخت کیا کرتے تھے۔ (اکشاف ص ۵۰)

عذاب قبر

عذاب قبر اللہ کے غیوب میں سے ہے۔ اگر یہ پردہ ہٹا دیا جائے تو کونسا ایسا شخص ہے جو اللہ پر ایمان نہ لائے۔ اسی لئے غیب کا پردہ ہٹنے کے بعد تو بہ کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے۔

﴿وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ (المومن ۱۰۰)

اللہ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے اس پردے کو چاک کیا۔ اور یہ معجزہ ہے ”امت محمدیہ کے سب سے بڑے اولیاء“ صحابہ کرامؓ بھی نبیؐ کے ساتھ موجود ہوتے۔ مگر عذاب قبر پر مطلع نہیں ہوتے تھے۔ اسی لئے آپؐ نے ایک موقع پر صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے کہا:-

﴿فَلَوْ لَا انْ لَا تَدَافِنُوا لِدَعَوَاتِ اللَّهِ انْ يَسْمَعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ
الَّذِي اسْمَعُ مِنْهُ﴾ (مسلم مشکوٰۃ باب عذاب قبر)

اگر اس بات کا ڈر نہ ہو کہ تم (مردوں کو) دفن نہ کرو گے تو میں اللہ سے دعا

کرنا کہ تم کو قبر کا عذاب سنائے جو میں سن رہا ہوں۔
 یہ تو تھے علمائے امت جو عذاب قبر کے سنتے اور دیکھنے سے عاجز تھے۔ لیکن داد
 دیجئے علماء دیوبند کو کہ ان کے لئے عذاب قبر ایسے ہی روشن ہے جیسے آسمان پر اُرد
 ہونے کی جگہ سے دن روشن ہوتا ہے۔ چند اتعات ملاحظہ فرمائیے۔

پہلے کڑوا پھر میٹھا

میر واجد علی قنوجی فرماتے ہیں کہ میرے مرشد حضرت مولانا مولوی محمد قاسم
 صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ میں ایک مرتبہ گنگوہ گیا۔ خانقاہ میں ایک کورا
 بندھنا رکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کو اٹھا کر کنویں میں سے پانی کھینچا اور اس میں پانی
 بھر کر پیا تو کڑوا تھا۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی عرض کیا۔
 آپ نے فرمایا کنویں کا پانی تو میٹھا ہے کڑوا نہیں ہے۔ میں نے وہ کورا بندھنا پیش
 کیا جس میں پانی بھرا تھا۔ حضرت نے بھی پانی چکھا تو بد-تور تلخ تھا۔ آپ نے فرمایا
 اچھا اس کو رکھ دو یہ فرما کر ظہر کی نماز میں مشغول ہو گئے۔

سام پھیرنے کے بعد حضرت نے نمازیوں سے فرمایا کلمہ طیبہ جس قدر جس
 سے پڑھا جائے پڑھو اور خود بھی حضرت نے پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد
 حضرت نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور نہایت خشوع و خضوع سے دعا مانگ کر
 ہاتھ منہ پر پھیر لئے۔ اس کے بعد بندھنا اٹھا کر پانی پیا تو شیریں تھا۔ اس وقت مسجد
 میں جتنے نمازی تھے۔ سب نے چکھا کسی قسم کی تلخی اور کڑواہٹ نہ تھی۔ حضرت نے
 فرمایا کہ اس بندھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب قبر ہو رہا تھا۔ الحمد للہ کلمہ کی
 برکت سے عذاب رفع ہو گیا۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۲۹۰ تذکرۃ الرشید ۲/۲۱۳)

اب زلزلی کے مصنف کی گرفت کا جواب بھی سنتے جائیے۔ دراصل حضرت
 گنگوہی کی قوت کشف کی بات ہے ممکن ہے کہ حضرت کے سامنے کشف پانی کی

کڑواہٹ کی وجہ یہی ظاہر ہوئی ہو اور اسکے لئے یہ تدبیر فرمائی ہو۔ (انکشاف ص ۴۴)
 اس طرح ایک تیر میں دو نہیں کئی شکار۔ قبر کا عذاب ہی نہیں بلکہ اس مٹی کا بھی
 ملم ہو گیا۔ جس پر عذاب الہی ہو رہا ہے۔
 تصرف کا یہ عالم کہ پانی کی تلخی اور کڑواہٹ دور کر کے اسے شیریں پانی میں
 بدل کر رکھ دیا۔ اسی طرح جیسے اللہ کے رسول نے قبر پر تازہ ٹہنیاں لگائیں تھیں اور
 ان کے خشک نہ ہونے تک عذاب میں تخفیف کی اطلاع دی۔ اسی طرح حضرت
 گنگوہی نے عذاب رفع ہونے کی خوشخبری سنا دی۔ نبیؐ سے بھی نمبر لے گئے۔
 لیجئے توحید سے خالی اور شرک سے بھر پور ایک اور واقعہ سنئے۔

دل لگی باز

اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں۔

”ایک صاحب کشف حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے
 گئے بعد فاتحہ کہنے لگے بھائی یہ کون بزرگ ہیں بڑے دل لگی باز ہیں۔ جب میں فاتحہ
 پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ کسی مردہ پر پڑھیو، یہاں زندہ پر پڑھنے آئے
 ہو۔ یہ کیا بات ہے جب لوگوں نے بتلایا کہ یہ شہید ہیں۔“ (ارواحِ ثلاثہ ص ۲۲۳)
 صاحب کشف کہہ کر رب کے ساتھ شریک کر دیا کہ جس طرح
 ﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي
 السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ﴾ (یونس: ۶۱)
 ”زمین اور آسمان میں کوئی ذرہ اور نہ اس سے چھوٹا یا بڑا تیرے رب سے
 پوشیدہ نہیں ہے“

کہ اللہ کی طرح ان کے سامنے زمین و آسمان کے پوشیدہ راز روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

اور پھر دوسری زبان بھی اہل بدعت کی استعمال کی۔ مزار پر فاتحہ پڑھنا کوئی شریعت ہے۔ کس حدیث سے ثابت ہے کہ مزاروں پر فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ اور صاحب کشف کی نگاہ باز سے بھی زیادہ تیز کہ منوں مٹی تلے دبے ہوئے بزرگ کو دیکھ لیا اور پھر دیکھائی نہیں بلکہ گفتگو بھی کر لی۔ ایک تو قبر کا حال معلوم کرنا معجزہ تھا اور پھر اللہ کی بات کو جھٹایا کہ

﴿أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ (آئل: ۳۱)

مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور ان کو تو اپنے اٹھائے جانے کا بھی علم نہیں۔ جب نبی کے لئے یہ فیصلہ ہے۔

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾

آپ نے فوت ہونا ہے اور مرنا انہوں نے بھی ہے۔

تو پھر کون ہے جو اس اصول سے مستثنیٰ ہو۔

اور پھر لوگوں کو بیوقوف بنانے کے لئے شہید کا ڈھونگ رچایا شہید اگر اس قبر میں زندہ ہیں اور وہ بھی دنیاوی لحاظ سے پھر ان کو قبر کی نکل دنیا ریک کوٹھری میں سے دنیا کی آزاد فضا میں کیوں نہیں لایا جاتا۔

شہید زندہ تو ہیں لیکن اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔

﴿بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ (آل عمران: ۱۶۹)

اور یہ زندگی ایسی زندگی ہے جس کے بارے میں اللہ کہتا ہے۔

﴿بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ﴾

اللہ کہتا ہے کہ تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے اور یہ حضرات ان سے گفتگو کر رہے ہیں اور دل لگی باز کہہ رہے ہیں یہ دل لگیاں کر رہے ہیں معلوم نہیں پھر مردہ کون ہیں۔ اگر یہ زندہ ہیں۔ ایسے چلتی ہیں عقیدہ توحید پر چھریاں لیجئے عقیدہ توحید کی مخالفت میں ایک اور قصہ۔

ادب کا طریقہ

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ جھجکانہ میں ایک صاحب کشف آئے اور حضرت میانجو کے مزار پر حاضر ہوئے بعد میں انہوں نے کہا کہ افسوس کس ظالم نے ان کو امام سید محمود کے پاس دفن کر دیا۔ یہ یہاں ادب کی وجہ سے اپنے انوار رو کے ہوئے ہیں۔ اگر کسی ویرانے میں ہوتے تو ضیاء ان کے انوار سے جگمگاتی۔ اگر فتنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کی ہڈیاں نکال کر دوسری جگہ دفن کرتا۔ پھر ان کے انوار و برکات کا مشاہدہ ہوتا۔ (ابواب علاج ص ۱۹۱)

صاحب کشف کیلئے غیب کے پردے آئینے کی طرح ہوتے ہیں کہ نگاہ اٹھائی اور بے نقاب کر دیا۔ قبر میں مدفون شخص کو دیکھا اور اس مردہ شخص کے انوار و برکات کے روکنے کی وجہ بتلائی اور یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ یہ شخص ہڈیوں میں تبدیل ہو چکا ہے۔ جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو گیا۔ گوشت کیڑوں نے کھا کر ہڈیاں مٹی کے کھانے کو چھوڑ دیں پھر بھی اس کے انوار و برکات میں فرق نہیں آیا۔ عجیب ماجرا ہے۔ یہ تو صاحب کشف کا مشاہدہ اپنے لئے۔ اب لیجئے غیروں کو بھی وہ کچھ دکھا دیا جو خود دیکھتے ہیں۔

دیواریں غائب

مولانا احمد حسین بیان کرتے ہیں۔

مدینہ منورہ میں قبلہ دکھن جانب ہے۔ قبہ خضراء پورب کے گوشہ میں واقع ہے۔
 پچھم جانب باب الرحمۃ کے متصل دوان میں حضرت درس رہے تھے۔ قبہ خضراء کی
 جالیاں سامنے تھیں۔ تادمہ میں سے ایک صاحب کو حیات النبی ﷺ کے متعلق کافی
 شلوک و شبہات تھے۔ دوران درس انہوں نے ایک بار جو نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے
 نہ قبہ خضراء تھا اور نہ جالیاں بلکہ حضور نبی کریم ﷺ خود تشریف فرما تھے۔ انہوں نے
 کچھ کہنا چاہا (شاید دوسرے طلباء کو متوجہ کرنا ہو) حضرت نے اشارے سے منع فرمایا۔
 اب جو دیکھتے ہیں تو وہی سابقہ حالت پر سب چیزیں تھیں۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۷۷)
 غیب کے پردے کو ہٹانے میں کتنی قدرت ہے کتنے صاحب تعریف ہیں کہ
 جب کسی کو غیب کے مسائل میں کوئی مسئلہ باطلہ سمجھتا ہوا فوراً پردے کھینچ دینے اور
 مسئلے کی حقانیت واضح کر دی صحابہ کرام میں سے کوئی بھی آپ کو اس حالت میں نہ
 دیکھ سکا اور یہ ہیں توحید کے ٹھیکیدار ایسے نظریات رکھنے کے باوجود بھی موحّد اللہ کے
 رسول تو کہیں کہ میں دعا کروں کہ اللہ تمہیں وہ عذاب سنا دے (نہ کہ دکھاوے) جو
 میں سنتا ہوں لیکن یہاں تعریف کا یہ عالم ہے کہ دعا تو درکنار صرف اپنے طلباء کا عقیدہ
 حیات النبی پختہ کرنے کیلئے عالم برزخ سے پردے کھینچ دینے اور یہ صرف ایک موقعہ
 نہیں بلکہ یہ کمال کہ برزخ کے پردوں میں شگاف ڈال کر طلباء کو دکھانا مستقل اور
 مسلسل ہے جیسا کہ ارواح ثلاثہ میں ہے۔ ”مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے
 کہ جو لوگ علمائے دین کی توہین اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ان کا قبر میں قبلہ
 سے منہ پھر جاتا ہے اور یوں بھی فرمایا کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ (ص ۳۴)

ننگا مُردہ

اس قسم کی کہانی مولوی عبد الرشید کی زبانی سینے۔

مجھ سے میرے محترم دوست اور حضرت کے خویش الحاج اشرف علی صاحب نے بیان فرمایا کہ حضرت نے ارشاد فرمایا ایک امیر زادہ نوجوان شخص تھے۔ ان کی زندگی بہت ہی لالچالی پن میں گزری۔ ان کا جب انتقال ہو گیا تو میں ایک دن قبرستان گیا تو اس شخص کو دیکھا کہ قبرستان میں ننکا بیٹھا ہے اور بہت ہی حسرت و یاس کے عالم میں ہے۔ جب میں قریب پہنچا تو اس نے ہمیں دیکھ کر اپنی ستر دونوں ہاتھوں سے چھپالی۔ میں نے اس سے کہا اسلئے نہ میں تجھے کہتا تھا لیکن تو نے اپنی زندگی لالچ و ابی میں گزار دی اور میری باتوں کی طرف دھیان نہ دیا۔ (تقیب پھلاری کا مصلح امت نمبر ص ۱۹) کمال ہے مردخ کے پردوں کی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔ یا مردہ دفن ہونے کے بعد جہاں اس کا دل چاہے سیر کرتا پھرتے۔ پھر بریلویوں کا کیا قصور۔ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ ہر جمعرات کو روحیں گھروں میں آتی ہیں اور یہاں تو روح بمعہ جسم کے سیر پالنے میں اور پھر کپڑوں سے بھی ماریں یا ملنگ بننے کا ڈھونگ یا دوزخیوں کو لباس عی میہ نہیں ہوتا حالانکہ قبر میں اللہ کا حکم ہے کہ گنہگاروں کے لئے "البسوة من النار" انہیں آگ کا لباس پہنا دیا حضرت کی نظر اتنی دور رس تھی کہ کپڑوں کی چیرتی ہوئی اس کے ستر پر جا پہنچی اور نہیں سوچتا کہ جب حضرت کی نظر نے مردخ کے پردوں کو چاک کر دیا۔ تو ہاتھوں کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔ لیجئے مردخ کے غیوب میں سے ایک غیب پر اطلاق کہ بغیر بتلائے مردے کا مدفن معلوم کر لیا۔

مردے کا مدفن

حکیم مولوی محمد یوسف گنگوہی فرماتے ہیں کہ ایک درویش کا یہ طرز دیکھا کہ وہ

کسی بزرگ کے مزار کے اندر نہیں جاتے تھے بلکہ مزار کے قریب دروازے سے باہر کھڑے ہو کر رویا کرتے تھے۔ حکیم صاحب کو خیال آیا کہ ان کو مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر لے چلیں اور ظاہر نہ کریں ایک مسجد جو مولانا رشید احمد کے مزار کے قریب بنی ہوئی تھی۔ فرش مسجد کے شمالی کنارے پر جس وقت یہ درویش پہنچے۔ نہایت زور سے اس درویش نے چیخ ماری اور کھڑے ہو کر شدت سے روتے رہے۔ جب درویش صاحب واپس ہوئے تو حکیم صاحب سے فرمایا ایسا نہیں کیا کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے میرے ساتھ کیا۔ بعض وقت ایسے موقع پر جان نکل جاتی ہے۔ انسان کو جب کسی بزرگ کے مزار کی خبر ہو جاتی ہے تو کچھ سنبھل کر چلتا ہے۔ یہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے کہ حضرت ممدوح نے شریعت کے پردے میں اپنی نسبت عالیہ کا انکشاف فرمایا تھا۔ (ارواحِ علائقہ ص ۳۲۲)

یہ ہیں ان کے عقیدے اور پھر ان عقائد پر اتنا مان۔

روحوں سے ملاقات

ایک دیوبندی عالم لکھتے ہیں:-

مسلمانان ہند کی پوری تاریخ میں اکابر دیوبند نے عقائد کو جس انداز میں نکھارا ہے، اس کی تحسین آپ مجدد الف ثانی کی روح سے مراقب ہو کر معلوم کر لیں۔ (انکشاف ص ۲۶۳)

ایک جگہ دیوبندی عالم کا قلم ایسے چلتا ہے۔

دنیا جانتی ہے کہ اکابر دیوبند جیسے حضرت مولانا نانوتوی، حضرت مولانا گنگوہی مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا یعقوب صاحب، حضرت مولانا محمود الحسن وغیرہ اپنے زمانے کے عالم و محدث ہی نہیں تھے۔ بلکہ باطنی علوم کے بہت بڑے

ایمن و محافظ تھے۔ (اکثرات ص ۲۳)

شافی اللہ کی صفت ہے جیسا کہ ابراہیم فرماتے ہیں:-

﴿وَإِذَا مَرَضْتُ فَبُهِتَ يَشْفِينِ﴾ (اعتراف: ۸۰)

جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ مجھے شفا دیتا ہے۔

یہ بات ٹیس کہ پہلی شریعت میں شفاء اللہ دیتا تھا اور ہماری شریعت میں شفا کے

خرانے کا مالک کوئی اور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

﴿اذهب الباس رب الناس واشف انت الشافی لا شفا الا شفاءک﴾

(بخاری۔ کتاب الرضی)

بیماریوں کو لے جا اے لوگوں کے رب۔ شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے۔

تیری شفاء ہی شفا ہے۔

لیکن ان کے یہاں ان حضرات کی شان اتنی عظمت والی ہے کہ بیماری سے

چھٹکارے کے اور شفاء کیلئے حضرت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور حضرت بھی

کبھی کسی کو شفاء دے دیتے ہیں اور کبھی کسی کو ابتلاء میں ڈل دیتے ہیں اور بیمار کو

دیتے ہیں۔ مختلف انتعات سنئے۔ مذکرہ رشید کے مصنف لکھتے ہیں۔

شفاء امام کے ہاں

حاجی دوست محمد خان دہلوی، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے ایک نہایت

مخلص خادم تھے۔ ایک بار ان کی اہلیہ کی طبیعت سخت خراب ہو گئی۔ ہاتھ پاؤں کی

نبضیں چھوٹ گئیں، غشی طاری ہو گئی اور تمام جسم ٹھنڈا ہو گیا۔ حاجی صاحب کو اہلیہ

کے ساتھ محبت زیادہ تھی، بے قرار ہو گئے۔ پاس آ کر دیکھا تو حالت غیر تھی۔ صرف

سینہ میں سانس چلتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ زندگی سے مایوس ہو گئے۔ رونے لگے اور سر ہانے بیٹھ کر یسین شریف پر ہنسی شروع کر دی۔ چند لمحے گزرے تھے کہ دفعتاً مریضہ نے آنکھیں کھول دیں اور ایک لمبا سانس لے کر پھر آنکھ بند کر لی۔ سب نے سمجھ لیا کہ اب وقت اخیر ہے۔ حاجی دوست محمد خان اس حیرت ناک نگاہ کو نہ دیکھ سکے۔ بے اختیار وہاں سے اٹھے اور مراقب ہو کر حضرت امام ربانی کی طرف متوجہ ہوئے کہ وقت آگیا ہو تو خاتمہ بالخیر ہو اور زندگی باقی ہے تو یہ تکلیف جو متواتر تین دن سے ہو رہی ہے رفع ہو جائے۔ مراقبہ کرنا تھا کہ مریضہ نے آنکھیں کھول دیں اور باتیں کرنی شروع کر دیں۔ نبضیں ٹھکانے آگئیں اور اتفاق ہو گیا۔ دو تین دن میں قوت بھی آگئی اور بالکل تندرست ہو گئیں۔

حاجی صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ جس وقت مراقب ہوا حضرت کو اپنے سامنے پایا اور پھر تو یہ حال ہوا کہ جس طرف نگاہ کرتا ہوں، حضرت امام ربانی کو بہ ہیت اصلیہ موجود دیکھتا ہوں۔ تین شبانہ روز یہی حالت رہی۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۳۱)

ان فقرات پر ذرا غور کیجئے ”حالت غیر تھی“ ”زندگی سے مایوس ہو گئے“ جسم ٹھنڈا ہو گیا۔ جب مسلمان کی یہ حالت ہو جائے تو اس کے اعزہ اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں لیکن یہاں اور پھر حضرت کی اہلیہ کی یہ حالت کہ ”نبضیں چھوٹ گئیں“ ”انس صرف سینہ میں چلتا ہوا محسوس ہوتا تھا اور اس قسم کی حالت کا ذکر اللہ نے یوں کیا ہے۔

﴿كَأَلَّا إِذَا بَلَغَتِ الشَّرَاقِي ۝ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ ۝ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَتِ

السَّاقِ بِالْمِسَاقِ ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسَاقِ﴾ (الہیاء: ۲۱-۳۰)

دیکھ جب جان گلے تک پہنچ جائے لوگ کہیں گے (اس وقت) کون جہاز

پھونک کرنے والا ہے اور (جان باب) نے سمجھا کہ اب سب سے جدائی ہے اور
پنڈلی سے پنڈلی چمٹ جائے اس دن سمجھ کہ اپنے رب کی طرف چلنا ہے۔
اب واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ کا دعویٰ ہے۔

﴿فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ۝ وَأَنْتُمْ حِينِيذٌ تَنْظُرُونَ ۝ وَنَحْنُ أَقْرَبُ
إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ۝ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ
تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (الواقہ ۸۳-۸۷)

بھلا جب روح گلے میں آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو اور
ہم مرنے والے کے تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ نہیں سکتے پس اگر تم
کسی کے بس میں نہیں ہو تو اگر تم بچے ہو تو روح کو پھیر کیوں نہیں لیتے۔
اب قرآن کی بات مانیں یا حضرات دیوبند کی۔

اور مخلص خادم کا مراقب ہو کر رشید احمد صاحب کی طرف متوجہ ہونا اور یہ عرض
کرنا کہ وقت آگیا ہو تو خاتمہ بالخیر ہو اور زندگی باقی ہے تو تکلیف رفع ہو۔ کس
بات کی دلیل ہے کہ مرید جب پیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو پیر کو علم ہو جاتا ہے جو
شرک ہے اور پیر کو مریض کی موت کا بھی علم ہے کہ تقدیر کا نوشتہ ان کے سامنے رکھا
ہے یا موت و حیات کے خود مالک ہیں اور شفاء بھی ان کے ہی ہاتھ میں ہے۔ جس
کا ثبوت یہ فقرات ہیں۔ مراقبہ کرنا تھا اور افادہ ہو گیا بالکل تندرست ہو
گئیں اور پھر کمال پیر صاحب کا ہر جگہ حاضر مآظر رہے۔

حسین احمد شافی

ایک دوسرا واقعہ جس کی سلسلی خیزی سے آپ لطف اندوز ہوں گے جس کو حسین

احمد مدنی کے ایک مرید ڈاکٹر حافظ محمد زکریا صاحب بیان کرتے ہیں کہ میرے پیر بھائی کی حالت نہایت سنگین ہو گئی میں بحیثیت معالج بلایا گیا تو دیکھتا ہوں کہ جسم بالکل بے حس و حرکت ہے آنکھیں پتھرائیں ہیں۔ آثار مرگ بظاہر نمایاں ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر میں پریشان اور بے چین سا ہو گیا۔ ماگہاں مریض رفتہ رفتہ اپنا ہاتھ اٹھا کر کسی کو سام کرنا ہے۔ پھر کہتا ہے حضرت یہاں تشریف رکھئے کچھ ہی دیر بعد اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے والد وغیرہ سے کہتا ہے کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے؟ جواب میں لوگ کہتے ہیں کہ حضرت تو یہاں تشریف فرما نہیں تھے وہ حیرت سے کہتا ہے کہ حضرت تو تشریف لائے تھے اور میرے چہرے اور بدن پر ہاتھ پھیر کر فرمایا تھا کہ اچھے ہو جاؤ گے گھبراؤ نہیں۔ (ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے) کہ ابھی میں بیٹھا ہی تھا کہ دیکھتا ہوں کہ بخار ایک دم غائب ہے اور وہ بالکل تندرست اچھا ہے۔ جامع کہتا ہے کہ حضرت کی ادنیٰ کرامت ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کو اپنے خاص (مریدین) سے کیسا گہرا تعلق ہوتا تھا۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۱۶۳)

حضرت کی تشریف آوری کو کوئی شخص مریض کا واہمہ قرار دے کر گزرا چاہے تو دیوبند کے ارباب اختیار گزرنے نہ دیں گے اور شیخ کے آنے اور چشم زدن میں شفا یاب کر کے چلے جانے کو ادنیٰ کرامت سے منسوب کریں گے اور پھر یہ تک نہ سوچا کہ یہ واقعہ عقیدہ توحید سے کتنا متصادم ہے۔ سینکڑوں میل کی مسافت سے مرید کی مرض کی سنگینی معلوم کر کے چشم زدن میں وہاں پہنچ جانا اور ایسے لطیف پیکر میں کہ سوا مریض کے تمام لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل رہنا علم غیب اور تصرف کے بغیر کیا ممکن ہے۔ شفا بخشی کی مسیحی کرشمہ سازی کہ ادھر مسیحا نے ہاتھ پھیرا اور ادھر بیمار نیم جان بالکل تندرست اور اچھا ہو گیا۔ اگر اس کا نام بھی خدائی تصرفات نہیں تو پھر وہ

خدا فی اختیار کون سے ہیں اور اس شخص کی مسیحی قوت میں کیا کلام کہ جو اس جسم کو جو بالکل بے حس و حرکت ہو آنکھیں پتھر انگلیں ہیں اور آثار مرگ بظاہر نمایاں ہوں۔ یہ دعوے کر دے گھبراؤ نہیں اچھے ہو جاؤ گے اور متاثرین کی شیخ پرستی کی انتہا دیکھئے کہ جو نبی قوت انکشاف اور تصرف و اختیار نبی کے حق میں ثابت نہیں وہی ان کے حضرت کی ادنیٰ سی کرامت تھی۔

حسین احمد مدنی صاحب کا بالکل اسی قسم کے تصرف کا ایک واقعہ سنئے:-

مولانا احمد حسین بیان کرتے ہیں کہ ”میری لڑکی ریحانہ کی عمر ۵۴ سال تھی، گھسٹے نکلے اور تمام چہرہ متورم ہو گیا تھا۔ بخار بہت تیز تھا۔ ڈاکٹر نے مرہم لگا کر روئی کے پھل رکھ کر پٹی لگا دی تھی۔ لڑکی بخار کی شدت کی وجہ سے غافل تھی۔ دفعۃً اس نے چیخنا شروع کیا۔ کہ مولانا دادا آئے ہیں۔ مولانا دادا آئے ہیں۔ اٹھ بیٹھی اور پٹی نوچنی شروع کر دی ہم لوگ پریشان ہو گئے کہ سرسام ہو گیا ہے لیکن ہماری حیرت کی کوئی انتہائی نہ رہی جب تھوڑے عرصے کے بعد نہ بخار تھا اور نہ ورم، ریحانہ بالکل اچھی تھی حالانکہ اسنے اپنے ہوش میں حضرت کو دیکھا بھی نہ تھا۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۷۶)

اس معصوم بچی کو کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ مولانا دادا ہیں۔ یہ عقدہ تو ارباب دیوبندی کھول سکتے ہیں۔

شفایابی پر قبضہ

لیجئے ایک واقعہ سنئے جس میں شفاء کے محکمے پر ارباب دیوبند کے مکمل قبضے کا ثبوت ملتا ہے۔ ارواحِ ثلاثہ میں خان صاحب بیان کرتے ہیں۔ نواب لطف خان رئیس چھتاری بیمار ہو گئے۔ دعا کروانے کے لئے حبیب الرحمن نے مولانا گنگوہی کو

کہا تو فرمایا کہ مجھے تو ان کی صحت کی طرف سے مایوسی ہے۔ کیا کروں میرے دل میں ان کی صحت آتی ہی نہیں۔ چند مہینے بعد پھر دعا کے لئے کہا مگر یہی جواب دیا۔ لوگوں نے اصرار کیا اور عرض کیا کہ بس یوں فرما دیں کہ اچھے ہو جائیں فرمایا کہ بھائی ایک تو ایسا کہنا ہوتا ہے جیسا کہ ابھی مدرسے کے بارے میں کہا تھا (مولانا حافظ محمد نے مدرسہ دیوبند کے خلاف مخالفتوں اور اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا۔ مولانا سنتے رہے۔ آخر ایک دم نکلے سے اٹھ کر سیدھے ہو بیٹھے اور انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ کچھ نہیں ہوگا۔ اس پر مولانا اشرف علی خان صاحب حاشیہ چڑھاتے ہیں۔ یہ جو مدرسہ دیوبند کے بارے میں فرمایا یہ ظہور تھا (شان کا ان السکینۃ نطق علی لسان عمر) اور ایک کہلوانے سے کہنا، انہوں نے عرض کیا، نہیں حضرت بس یہی جملہ فرما دیں۔ فرمایا کہ اچھا بھائی تم کہتے ہو میں کہتا ہوں ان شاء اللہ اچھے ہو جائیں گے۔ تیسرے دن ہی خط پہنچا کہ لطف علی خان اچھے ہو گئے اور اگلے دن اطلاع آگئی انتقال ہو گیا۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۳۱۲)

نواب صاحب کی صحت سے مایوسی کا اظہار اور پھر لوگوں کے اصرار پر مجبوراً کہنا پڑا تو فوراً کلمہ کن طرح عمل ہوا اور صحت یاب ہو گئے لیکن چونکہ مجبوراً کہا تھا اس لئے جو صحت پائی کلمہ کن کے کہنے سے ہوئی تھی۔ لیکن تقدیر کے نوشتہ میں جو موت مندر لاتی ہوئی حضرت کو نظر آ رہی تھی (جس کی وجہ سے دعا سے پس و پیش کر رہے تھے) نے آخر کار پنجے گاڑ دیئے۔

ایک اور کلمہ کن سے شفا پائی کا واقعہ سنئے۔

اتفاق کی بات ہے کہ مولوی مظفر حسین کی والدہ سخت علیل ہو گئیں۔ ہر قسم کا علاج کیا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب بالکل مایوس ہو گئے تو ایک فقیر ملا اور کہا حافظ

صاحب سے یہ کہلا دو کہ اچھی ہو جا۔ پھر اچھے ہونے کا میں ذمہ دار ہوں۔ سب لوگ حافظ ضامن کے سر ہو گئے۔ وہ انکار کرتے رہے۔ قضیائی حافظ ضامن صاحب کی بہن تھیں۔ بہت اصرار پر آپ نے فرمایا کہ کاندھلہ سے اپنی لڑکی بی رحمت کو بلاؤ، جب کہوں گا۔ اول تو بہت پس و پیش ہوئی بعد میں مجبوراً بلانا پڑا۔ ان کے پہنچتے ہی خود بخود صحت شروع ہو گئی۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۲۳۰)

علاج سے مایوسی کے بعد دیوبندی فقیر کا یہ دعویٰ کہ حافظ ضامن کے اس کلمے ”کہ اچھی ہو جا“ کے کہنے کے بعد اچھے ہونے کا میں ذمہ دار ہوں کیا خدائی دعویٰ نہیں ہے؟ اور کیا یہ فرمان اللہ کے رسول کا نہیں ہے؟

﴿لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَإِذَا أُصِيبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَأَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (رواہ مسلم)
ہر بیماری کی دوا ہے پس جب دوا بیماری کو پہنچتی ہے اللہ کے حکم سے آرام آ جاتا ہے۔

دوا سے آرام تب آتا ہے جب اللہ کا اذن ہوتا ہے ورنہ دوائی جو شفاء کا سبب ہے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

معلوم نہیں کہ وہ فقیر جو ضامن صاحب کے کلمہ کن کے بعد اچھے ہونے کی ذمہ داری لیتا ہے وہ وحدت الوجود کے نظریے کے مطابق اللہ ہے یا شفاء کی ذمہ داری اس کے سپرد ہے۔ اور پھر بی رحمت کے پہنچتے ہی صحت خود بخود شروع ہو گئی یعنی کن کہنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ وہ بی رحمت عورت تھیں یا رحمت الہی۔

بیماری اور شفاء کے سلسلے میں حاجی امداد اللہ صاحب کے بتلائے ہوئے ذکر کا ایک عجیب تصرف بھی ملاحظہ فرمائیے۔
اوراحِ ثلاثہ کے مصنف لکھتے ہیں۔

عجیب تصرف

حاجی امداد اللہ مہاجر کی سے ایک شخص بیعت ہوا۔ اس شرط پر کہ نماز نہ پڑھوں گا اور ماتج دیکھوں گا۔ حاجی صاحب نے ایک شرط پر بیعت کر لیا کہ ”ہم تھوڑا سا ذکر بتلائیں گے اس کو کر لیا کرنا۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ اس ذکر کا ان پر یہ اثر ہوا کہ جب نماز کا وقت آیا تو دفعتاً بدن میں خارش شروع ہوئی۔ اب جو تدبیر بھی اس کے رفع کی گئی وہی اپنی پڑی۔ کہیں چنبیلی کا تیل مل رہے ہیں کہیں اور تدبیر کر رہے ہیں مگر کچھ افادہ نہیں ہوا۔ پھر جی میں آیا کہ لاؤ ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ ہی دھوؤں۔ جو دھو چکے پھر خیال آیا کہ سب اعضاء تو دھل گئے لاؤ مسح بھی کر لوں۔ وضو کا تمام ہوا تھا کہ خارش آدھی رہ گئی۔ پھر جی میں آیا لاؤ نماز بھی پڑھ لوں۔ کوئی یہ شرط تھوڑا ہی تھی کہ بالکل ہی نہ پڑھوں گا نماز کا شروع کرنا تھا کہ خارش کا اندازہ ہوا پھر جب اگلی نماز کا وقت آیا وہی خارش پھر شروع ہوئی اور نماز اسی طرح شروع کرتے ہی جاتی رہی۔ اب سمجھے کہ بڑے میاں نے یعنی حاجی صاحب قدس سرہ العزیز نے پہرہ بٹھایا ہے۔ نمازی ہو گئے۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۲۰۱)

خارش کا شروع ہونا بتلائے ہوئے ذکر سے تھا اور اس کے پیچھے حاجی صاحب کا ہاتھ تھا۔ جیسی تو مرید کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے۔ حاجی صاحب نے پہرہ بٹھایا ہے اور پھر وضو سے خارش کا آدھی رہنا اور نماز سے غائب ہو جانا۔ شفاء کے بارے میں حاجی صاحب کا تصرف نہیں تو اور کس کا ہے؟

اسی طرح خان صاحب حاجی محمد اختر خان (جو مولانا نانوتوی سے بیعت تھے) کی بیماری کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں ”کوئی چار روز سے ایک عذاب میں مبتلا

ہوں وہ یہ کہ جب کوئی گاڑی نکلتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے اوپر چل رہی ہے اور جب بیلوں کو سائنا مارا جاتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے لگتا ہے اور جب کتوں میں آپس میں لڑائی ہوتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ مجھے کاٹتے ہیں۔ جب چکی چلتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ گیسوں کے بدلے میں پس رہا ہوں۔ لڑکے بھاگتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھ پر دوڑتے ہیں! اس لئے سخت تکلیف میں ہوں اور باہر نہیں نکل سکتا اور نہ چکی کی آواز سن سکتا ہوں اور اس لئے میں چھپا ہوا بیٹھا ہوں اور میں نے کانوں میں روڑ ٹھونس رکھے ہیں۔ میں نے کہا اپنی اسی حالت کی مولانا مانو تو ہی کو اطلاع دو۔ اطلاع کا جواب آیا کہ اس کا جواب تحریر سے نہیں ہو سکتا۔ تم ان کو کہہ دو وہ میرے پاس چلے آئیں چنانچہ یہ شخص گئے مولانا نے کچھ نہیں کہا صرف ارادہ اشغال کے اوقات بدل دیئے۔ وہ شخص دھرمے ہی دن اچھے ہو گئے۔

(ارواحِ ثلاثہ ص ۳۶)

بینک لگی نہ پھٹکری، صرف ارادہ بدلے اور شقایا بی ہو گئی۔ خان صاحب اسی قسم کا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

”حکیم عبدالواحد جلیسر کے رہنے والے تھے۔ کسی نقشبندی بزرگ سے بیعت تھے میں نے ایک مرتبہ ان کو دہلا پایا تو ان سے حالت دریافت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں چند روڑ سے سخت تکلیف میں ہوں۔ میرے اوپر بکلی گرتی ہے۔ کبھی رات کو اور کبھی دن کو اور میں مر جاتا ہوں اور سخت تکلیف سے مرنا ہوں اور اس کے بعد زندہ ہوتا ہوں تو تکلیف سے ہوتا ہوں یہ بکلی اگر سوتے میں گرتی ہے تو بالکل خاکستر ہو جاتا ہوں۔ ان کے پیر کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے مجھ سے مشورہ لیا۔ میں نے کہا مولانا گنگوہی کو لکھو مولانا نے خط کا جواب دیا کہ یہ باتیں تحریر میں

آنے کی نہیں ان کو میرے پاس بھیج دو۔ اس پر وہ گئے اور جاتے ہی بلا کہے سنے اچھے ہو گئے۔ (ذرا اشرف علی تھانوی کا حاشیہ بھی سن لیں) اگر یہ تعارف ہے تو اس کے اختفاء کیلئے کسی حیلہ کا اہتمام نہ فرما بھی ایک مذاق ہے۔
یعنی شفیایابی پر تعارف ہے ان کے حضرت کا ذرا ایک اور کرشمہ بھی سن لیں۔

عجیب آپریشن

حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ نثار نامی شخص کو مجھ سے بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ بدویوں سے لڑائی کے دوران گولی لگ کر اندر رو گئی۔ باوجود وہاں علاج کے کئی مہینے تک اچھا نہ ہوا۔ میرے پاس دعا کو کہلا بھیجا۔ پھر میرے پاس آیا میں نے اس کی بیماری کا حال پوچھا، جواب دیا کہ مجھ کو حالت یاس کی ہوئی تو آپ کی طرف ملتجی ہوا دیکھا کہ آپ نے میرا پیر پکڑ کر دبایا اور گولی کو نکال کر باہر پھینک دیا۔ صبح کو گولی خود بخود نکل گئی۔ (شہام امدادیہ ص ۱۰۰)

کیسا عجیب آپریشن ہے کہ ڈاکٹر مریض کے پاس اور نہ مریض ڈاکٹر کے صرف مایوس ہو کر اللہ کی طرف نہیں اپنے پیر کی طرف ملتجی ہوا۔ انہوں نے پیر پکڑ کے گولی نکالی تو صبح گولی نکلی ہوئی تھی۔

لیجئے گولی نکلنے اور پھر نکلنے اور آرام آنے کا ایک اور عجیب و غریب واقعہ سنئے مولانا نجیب لکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا نانوتوی کو بھی گولی لگی تھی اور وہ بھی پٹ پڑی پر جو انتہائی مازک مقام ہوتا ہے اس سے داڑھی کے کچھ بال بھی جل گئے۔ لوگوں نے سمجھا کہ شہید ہو گئے مگر ایک دم ہمت سے اٹھے اور چہرے پر ہاتھ پھیرا تو ایسا تھا کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ (سوانح کاظمی ۲/۱۶۰)

اس واقعے کا تذکرہ مولانا عاشق علی صاحب نے ان الفاظ میں کیا کہ حضرت مولانا قاسم العلوم ایک مرتبہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ بعض نے دیکھا کہ کپٹی پر گولی لگی اور دماغ پار کر کے نکل گئی۔ اہلی حضرت (مراد حضرت مولانا گنگوہی صاحب ہیں) نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کیا ہوا میاں؟ اسکے بعد عمامہ اتار کر سر جو دیکھا کہیں گولی کا نشان نہ ملا اور تعجب یہ ہوا کہ خون سے تمام کپڑے تر۔ (سوانح قاسمی ۲/۱۶۰)

اس واقعے کو مولانا یعقوب صاحب یوں بیان فرماتے ہیں جب قاسم مانوٹوی کو گولی لگی تو پوچھا کیا ہوا؟ فرمایا گولی لگی عمامہ اتار کر جو دیکھا کہیں گولی کا نشان نہ ملا اور تعجب ہے کہ خون سے تمام کپڑے تر۔ (سوانح قاسمی ۲/۱۶۰)

اس واقعے میں تینوں راویوں کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ گولی سر میں لگی دیکھا گیا تو نام و نشان بھی نہ ملا مگر تمام کپڑے خون میں تر۔ اس واقعہ پر کیا خاک تبصرہ کریں خود دیوبندی علماء کا ہی تبصرہ سن لیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں بہر حال حاصل یہی ہے کہ گولی کھانے کے بعد جو کچھ ہوا چاہیے تھا وہ نہ ہوا یہی لوگوں کا مشاہدہ ہے۔ اب اس کی توجیہ کچھ بھی کی جائے خواہ سیدنا امام الکبیر کے باطنی تصرف کا نتیجہ اس کو ٹھہرایا جائے جیسا کہ مولانا طیب صاحب کی روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے یا حضرت گنگوہی کی توجیہ کو اس میں ذخیل ملا جائے جس کی طرف مولانا عاشق الہی کے بیان میں ایسا کیا گیا ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ حافظ شہید کے ساتھ بھی چاہا تو یہی کر کے دکھایا جاسکتا تھا۔ (سوانح قاسمی ۲/۱۶۲)

یعنی حافظ ضامن جو شہید ہوئے ان کے چاہنے کی وجہ سے اگر یہ انہیں شہید کروانا نہ چاہتے ہوتے اور انہیں زندہ رکھنا مطلوب ہوتا تو ان کو بھی شفا یاب کر دیتے کیا خدائی تصرف میں کچھ کمی رہ گئی ہے۔ (استغفر اللہ)

طیب صاحب ال واقعہ پر یوں تبصرہ کرتے ہیں۔
مصنف امام یعقوب صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کا بے اثر رہ
جانا خود حضرت والا علی کی کرامت تھی۔ پھر فرماتے ہیں کہ میں نے متعدد بزرگوں
سے سنا کہ حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ نے ایک تعویذ بھی دیا کہ اسے پگڑی میں
رہیں۔ بعض ثقات سے مسموع ہوا ہے کہ حضرت حافظ صاحب شہید نے انگلی سے اپنا
لعاب دہن پیٹائی پر لگا دیا تھا۔ مولانا عاشق علی نے حضرت گنگوہی کے تصرف کی
طرف ایما کیا ہے۔ (سوانح کاظمی ۱۶۱/۲)

انہیں یہ یحییٰ و یحییٰ و الا تصرف ہی تو خدائی منصب کی طرف کھینچ لے
جاتا ہے۔ پہلیاں بچھوانے کا کیا فائدہ۔ اس کی طرح سید صاحب جوئی ہی کیوں نہیں کر
دیتے کہ ”انا احی و امیت“ میں زندہ بھی کرتا ہوں اور مارتا بھی ہوں جیسا کہ
قاسم ماہوتوی کو کوئی دماغ کے آر پار ہونے کے باوجود زندہ بچا لیا اور حافظ ضامن کو
مروادیا اس لئے کہ انہیں زندہ نہیں رکھنا چاہتے تھے اور اگر زندہ رکھنا چاہتے تو انہیں
بھی زندہ رکھ سکتے تھے یہ چاہت کتنی ذلیل ہے۔

رہبانیت

اللہ فرماتا ہے

﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَوْهَا مَا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ﴾ (الآیہ)

رہبانیت (ترک دنیا) عیسائیوں کا طریقہ ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے یہ ان
پر فرض نہیں کی بلکہ خود انہوں نے شروع کی۔
لا رہبانیۃ فی الاسلام (الحديث)
اسلام میں رہبانیت نہیں۔

اب لیجئے جس اسلام کا اظہار علماء دیوبند کر رہے ہیں وہ کس قسم کا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

بعد ازاں گوشہ قلب مبارک میں جذبہ الہیہ پیدا ہوا اور آپ آبادی سے ویرانے کو چلے گئے مخلوق سے نفرت فرماتے تھے اور جنگل پنجاب وغیرہ میں بسر فرماتے تھے اور اکثر دوابِ فاقہ سے کہ سنت نبوی ﷺ سے مشرف ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ آٹھ روز اور کبھی زیادہ گزر جاتے اور ذرا سی چیز خلق مبارک میں نہ جاتی اور حالت شدت بھوک سے اسرار و عجابِ فاقہ مکشوف ہوتے تھے۔ (شام امدادیہ حصہ اول ص ۱۰)

علماء کا کام مخلوقِ الہی کا تزکیہ کرنا نہیں تبلیغ کرنا ہے اور یہ ان پر فرض ہے اور جب مخلوق سے یہی لوگ نفرت شروع کر دیں اور جنگلوں چڑھ جائیں پھر اُمم بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا فرشتے کریں گے اور کمال ہے کہ آٹھ روز تک ذرا سی چیز خلق سے نیچے نہ امارتے ایسے لگتا ہے کہ معدہ جسم میں نہیں کیونکہ اس سے بھی عجیب قصہ مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ”شاد عبد القدوس رحمہ اللہ علیہ نے اپنے رسالے میں تحریر فرمایا ہے کہ الحمد للہ میرے زمانے میں ایک بزرگ ہیں شاید متقدمین میں بھی ایسا مجاہد کرنے والا کوئی نہ ہو۔ چالیس سال سے ہر روز صرف ایک بادام کھاتے ہیں اسی پر گزارہ ہے اس کے سوا دنیا کی کوئی چیز نہیں کھاتے۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۳۲۹)

نبی ﷺ اپنے بارے میں یہاں تک کہتے ہیں۔

و هو يطعمني ويسقيني (الحديث)

کہ رب مجھے کھانا پلاتا ہے۔ اس لئے بغیر افطار کئے روزہ رکھتا ہوں۔ اے

صحابہ تم نہیں کر سکتے۔ ان کو بھی اگر کھانا نہ ملے تو پیٹ پر پتھر باندھ لیتے ہیں اور صحابہ بن کی ولایت میں کسی کو شک نہیں ان کی بھی یہی حالت تھی حتیٰ کہ ابو ہریرہؓ بھوک کی وجہ سے نش کھا جاتے تھے۔ یہاں آٹھ آٹھ دن تک اور دوسرے صاحب چالیس سال سے ایک بادام پر گزارا کر رہے ہیں غشی و بیہوشی کی بجائے اسرار و غائب فائقہ مکشوف ہوتے ہیں۔

گپیں ہانکتے وقت معلوم نہیں عقل کدھر گروی رکھ دی جاتی ہے۔ ایک واقعہ حاجی امداد اللہ صاحب کی زبانی سنئے۔

درندے کا مزے

فرماتے ہیں ”ایک دن دیکھا کہ سات ڈھانچے ہڈیوں کے مسلم رکھے ہیں۔ دریافت ہوا کہ ایک درندے نے خدا سے دعا مانگی کہ مجھ کو اپنے دوستوں کا گوشت کھلا۔ ساتوں آدمی پیش کئے گئے اور اس درندے نے گوشت ان مردان خدا کا کھانا شروع کیا جس وقت درندہ دانت مانا وہ لوگ ہرگز دم نہ مارتے یہاں تک کہ تمام گوشت اپنا راہ مولا میں شمار کر دیا بصر ہڈیاں باقی رہ گئیں۔ (شام امداد یہ حصہ دوم ص ۴۴) یہ دعا درندہ کی قرآن میں ہے یا حدیث میں اگر نہیں تو ان کے پاس خبر کیسے پہنچی۔

﴿فَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (الآیۃ)

جس طرح ربانیت بدعت ہے اسی طرح ان کو بدعتیوں سے محبت ہے ارواح ثلاثہ میں ہے ”ایک مرتبہ مولا مانا تو توئی کے یہاں ایک بدعتی درویش مگر صاحب حال مہمان ہوئے تو آپ نے اس کا بڑا اکرام کیا“ (ارواح ثلاثہ ص ۴۸)

اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھول گئے۔

﴿مَنْ وَقَرَ صَاحِبَ بَدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَى هَدْمِ الْإِسْلَامِ﴾ (المحدث)
جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کو گرانے میں مدد دی۔

قتلِ بنی آدم

جس قوت کا اظہار ابراہیمؑ اپنے رب کے لئے کر رہے ہیں کہ

﴿رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾ (البقرہ: ۲۵۸)

میرا رب وہ ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔

اب اسی کا اظہار علمائے دیوبند میں دیکھئے۔

ایک جگہ مولانا قاسم نانوتوی صاحب کے وعظ کا پروگرام بنا۔ شعیہ نے جلسہ کو ناکام بنانے کے لئے لکھنؤ سے چار مجتہد بلا کر ہر ایک کو دس دس اعتراض دے کر جلسہ گاہ کے چاروں کونوں میں بٹھا دیا۔ حضرت صاحب نے ہر مجتہد کے دل میں چھپے ہوئے اعتراضات کو اسی ترتیب سے بیان کر کے رد فرمایا جس ترتیب سے وہ اپنے دلوں میں پھپھا کر لائے تھے۔ مجتہدین اور مقامی شیعہ چودھریوں نے اس سکی کا بدلہ لینے کے لئے ایک نوجوان کا فرضی جنازہ بنایا۔ ”آگے کا واقعہ راوی کی زبانی سنئے۔“

”پروگرام یہ تھا کہ جب حضرت دو تکبیریں کہہ لیں تو صاحب جنازہ ایک دم کھڑا ہو اور اس پر حضرت کے ساتھ استہزا و تمسخر کیا جائے۔ حضرت والا نے کہا آپ لوگ شیعہ ہیں اور میں سنی ہوں۔ اصول نماز الگ الگ ہیں آپ کے جنازے کی نماز مجھ سے پڑھوائی جائے کب ہوگی۔ شیعہوں نے عرض کیا کہ حضرت بزرگ ہر قوم کا بزرگ ہوتا ہے۔ آپ تو نماز پڑھا ہی دیں۔ حضرت نے ان کے اصرار پر منظور فرما

لیا اور جنازے پر پہنچ گئے۔ مجمع تھا حضرت ایک طرف کھڑے ہوئے تھے کہ چہرے پر غصے کے آثار دیکھے گئے۔ آنکھیں سرخ تھیں اور انتہا صبر چہرے سے ظاہر تھا۔ نماز کے لئے کہا گیا تو آگے بڑھے اور نماز شروع کر دی۔ وہ تکبیر کہنے پر جب طے شدہ پر گرام کے مطابق جنازے میں حرکت نہ ہوئی تو کسی نے ہونہ کے ساتھ سسکار دی مگر وہ نہ اٹھا حضرت نے تکبیرات اربعہ پوری کر کے اسی غصے کے لہجے میں فرمایا کہ اب یہ قیامت کی صبح سے پہلے نہیں اٹھ سکتا۔ دیکھا گیا تو مردہ تھا شیعوں میں رونا پڑنا پڑ گیا۔ (حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ ص ۷۱)

اس واقعہ پر ایک بریلوی مولوی کا تبصرہ سنئے۔ ”غضب خدا کا مانو تو ہی صاحب کے لئے نہیں علم و ادراک کی وہ عظیم قوت ثابت ہو گئی ہے۔ جس کے ذریعہ انہوں نے الگ الگ مجتہد کے دل میں چھپے ہوئے اعتراضات کو اسی ترتیب سے معلوم کر لیا۔ جس ترتیب کے ساتھ وہ اپنے اپنے دلوں میں چھپا کر لائے تھے۔ قبیلے کے شیخ کے لئے جذبہ اعتراف کی یہ فراوانی کہ دلوں میں چھپے ہوئے اعتراضات آپسے کی طرح عیاں ہو گئے۔ گھر کے بزرگ کے لئے نہ شرک کا کوئی قانون دامن گیر ہوا اور نہ مشرب توحید سے کوئی انحراف نظر آیا اور حضرت نے اسی قوت ادراک سے یہ معلوم کر کے کہ تابوت جنازے کا نہیں زندے کا ہے۔ فرط غیظ سے اپنی آنکھوں کو سرخ کر لیا اور پھر عقیدہ توحید کے پرچے اڑاتے ہوئے اسی غصے میں فرمایا کہ ”اب یہ قیامت کی صبح سے پہلے نہیں اٹھ سکتا۔ اس کی موت کا اعلان بغیر دیکھے ہی کر دیا کیونکہ اپنی قوت تعریف پر حضرت کو اتنا گمان تھا کہ یہ قتل نہیں۔ کیا حضرت قاتل نہیں۔ کیا اس فقرے کی تاویل ممکن ہے۔ اگر ہے۔

﴿فَاتُّوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (الآیۃ)

میلوی تبصرہ نگار کا یہ فقرہ بار بار پڑھئے کہ ان حضرات کے ہاں شرک کی بحثیں صرف انبیاء و اولیاء کی حرمتوں سے کھیلنے کے لئے ہیں ورنہ ہر شرک اپنے ہزروں کے حق میں عین اسلام ہے۔

اس تبصرے کے بعد اب ذرا قرآن کی ان آیات کا سوچئے کیا ترجمہ کیا جائے تاکہ مدرسہ دیوبند کے ایک عالم کی یہ عظیم الشان کرامت بھی مقرر رہے۔ اور قرآن کی بھی جلی سی تاویل ہو جائے۔ رب اعزت فرماتا ہے۔

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَتَبْنَا مُوَدَّتَهُ﴾ (آل عمران: ۱۳۵)
کسی شخص میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر مر جائے۔ موت کا وقت مقرر ہے اور لکھا ہوا ہے۔

موت تو اللہ کے اذن یعنی حکم سے آتی ہے اور واقعہ بول بول کر یہ کہہ رہا ہے کہ یہ شیعہ آدمی حضرت مانوٹوی صاحب کے تصرف سے عی مرا ہے ورنہ چہرے کا غصہ اور الفاظ کا جوش کیا معنی رکھتا ہے۔

ایک اور قتل

حضرت کے ہاں وہ تصرف بھی ہے جس سے موت تک واقع ہو جاتی ہے۔ حافظ احمد حسین کا ایک واقعہ جسے اشرف السوانح کے مصنف ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار انہوں نے کسی کے لئے بددعا کی تو وہ دفعۃً مر گیا۔ بجائے اس کے کہ اپنی کرامت سے خوش ہوتے ڈرے اور بذریعہ تحریر حضرت والا (تھانوی صاحب) سے مسئلہ پوچھا کہ مجھے قتل کا گناہ تو نہیں ہوا؟
اب تھانوی صاحب کا ایمان شکن جواب سنئے۔

اگر آپ میں قوتِ تصرف ہے اور بددعا کرتے وقت آپ نے اس قوت سے کام لیا تھا یعنی یہ خیال قصد اور قوت کے ساتھ کیا تھا کہ یہ شخص مر جائے تب تو قتل کا گناہ ہوا۔ (اشرف السوانح ج ۱ ص ۱۲۵)

تلائے مولانا قاسم نانوتوی صاحب پچھلے واقعے میں اس کلیے کی رو سے قاتل بنتے ہیں یا نہیں زندہ کرنا اور مارنا حالانکہ اللہ کے ہاتھ میں ہے کوئی غیر اس میں شریک نہیں جیسا کہ اللہ فرماتا ہے۔

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ هَلْ مِنْ شَرِكٍ كَأَنَّهُمْ مَنْ يَفْعَلُ مِنْ شَيْءٍ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (روم: ۲۰)

اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا۔ تم کو موت دے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو ان کاموں میں سے ذرا سا بھی کچھ کر سکے۔ اللہ پاک اور بلند ہے اس شرک سے جو یہ کر رہے ہیں۔

یعنی موت و حیات میں بھی کوئی شریک نہیں پھر حافظ احمد حسین کے سوال پر تھانوی صاحب کا قوتِ تصرف کو استعمال کرنے کے بارے میں پوچھنا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہی ناکہ یہ اس موت و حیات کے سلسلے میں اللہ کے شریک ہیں کیونکہ ان میں وہ قوتِ تصرف ہے۔

قتل ہی قتل

ارواحِ ثلاثہ کے مصنف ایک اور ایسا ہی واقعہ ذکر کرتے ہیں جس میں موت غیر اللہ کے قبضہ قدرت اور زیر تسلط نظر آتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ

”جس زمانے میں دیوبند میں ہیضہ پھیا ہوا تھا تو اس زمانے میں حضرت

مولانا یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پیشین گوئی کی تھی اور لوگوں سے فرمایا تھا کہ یہاں وبا آنے والی ہے اگر ہر چیز میں صدقات کئے جائیں تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ بلا نکل جاوے۔ بعض اہل دیوبند نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ میں کچھ ضرورت ہو گئی ہے۔ اس کی خبر کسی نے مولانا کو کر دی اس پر بہت غیظ آیا اور فرمایا یعقوب اور یعقوب کی ساری اولاد اور سارا دیوبند، یعقوب اور یعقوب کی اولاد اور سارا دیوبند (اس جملے کا چند بار تکرار فرمایا) اس وقت حاجی محمد عابد صاحب حجرے کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کلمے کو سن رہے تھے وہ ٹھہرا کر باہر نکلے اور کہنے لگے کہ حضرت کیا فرما رہے ہیں۔ مولانا نے دریافت فرمایا کہ کیا کہا ہے۔ حاجی محمد عابد صاحب نے وہی جملہ سنا دیا کہ یوں فرما رہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا اب تو یوں ہی ہو گا۔ اس کے بعد اس کثرت سے وبا پھیلی کہ بیس پچیس جنازوں کی نماز ایک دفعہ ہوتی تھی۔ پس دیوبند ہی خالی ہو گیا۔ جب یہ وبا ختم ہوئی تو آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میں تو سمجھا تھا کہ میرا وقت بھی آگیا۔ کیا ابھی دیر ہے۔ بس اسکے بعد اپنے وطن مانوٹہ پہنچے اور وہیں جا کر مبتلائے مرض ہو کر واصل بحق ہوئے۔ (ارواحِ خلاص ص ۳۳۹)

اللہ فرماتا ہے۔

﴿يَوْمَ أَنَّهُ هُوَ أَمَاتٌ وَأَحْيَا﴾ (نجم: ۴۴)

بے شک اللہ ہی مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے۔

اور پھر بیس پچیس جنازوں کا ٹھٹھا اور دیوبند کا اس وقت خالی ہو جانا کیا اس بات کی دلیل نہیں کہ مارا بھی علمائے دیوبند کے ہاتھ میں ہے۔ موت کے اسباب تو معروف ہیں چند عجیب و غریب اسباب سماعت فرمائیں۔

تعویذ کشتہ حیات

حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ امر ہے میں ایک بندہ تھا۔ وہ حضرت

عبدالباری سے کمال اعتقاد رکھتا تھا۔ اس نے آپ سے عرض کیا کہ میرے کوئی اولاد نہیں ہے تعویذ دیجئے۔ حضرت نے تعویذ دے کر فرمایا کہ ابھی تو اپنی بیوی کے بازو پر باندھ دو اور بعد تولد فرزند اس کے باندھ دینا۔ تعویذ کی برکت سے اس کے لڑکا پیدا ہوا۔ جب وہ سن تمیز کو پہنچا باغوائے بعض ہنود اس تعویذ کو کھول دیا۔ اس میں اڑائی بھیسری ساون لکھا تھا۔ یہ پڑھ کر اس نے تعویذ پھینک دیا۔ تعویذ پھینک کر وہ نہانے کو گیا۔ دریا میں ڈوب کر مر گیا۔ (شام امدادیہ حصہ سوم ص ۵۵)

یعنی تعویذ کی برکت ہی سے اولاد ہوئی اور برکت بھی کن الفاظ کی ”اڑائی بھیسری ساون آیا“ نہ قرآن کی آیت نہ نبی کی سہلانی ہوئی وعا۔ ان کے نزدیک یہ الفاظ بھی برکت والے ہیں۔

اور پھر موت بھی ”اڑائی بھیسری ساون آیا“ والے تعویذ کو پھینکنے کی وجہ سے ہوئی اگر نہ پھینکتا تو پھر موت بھی نہ ہوتی۔ اللہ کو تو پھر کوئی اختیار نہیں۔ حالانکہ اللہ فرماتا ہے:-

﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ﴾ (النعام ۹۵)

وہ مردے سے زندے کو نکالتا ہے اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے۔ یہ ہے اللہ پھر تم کدھر بہکے ہوئے چلے جاتے ہو۔
اب موت و حیات کا مالک اللہ کو مانیں یا ”اڑائی بھیسری ساون آیا“ کو مانیں فیصلہ آپ کے ذمے ہے۔

وجہ وفات

موت و حیات کے بارے میں حاجی امداد اللہ صاحب کا عقیدہ سنئے۔ فرمایا کہ

مشہور ہے کہ بوجہ دعائے حضرت ابراہیم بن اوشم ان کے صاحبزادے محمود نے وفات پائی لیکن محققین کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ بوجہ غائت محبت و شفقت پوری حضرت ابراہیم نے ان کو ایک دم سے بھر دیا ان سے ختم نہ ہو سکا اس وجہ سے انتقال ہو گیا۔
(شہام امدادیہ حصہ دوم ص ۳۹)

حالانکہ اسلام میں انتقال کی وجہ یہ نہیں بلکہ اللہ موت و حیات کا مالک ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہوتا ہے۔

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾ (اعراف ۱۵۸)

اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے۔

﴿هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (یونس ۵۶)

اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹ کر جاؤ گے۔

﴿وَأَنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ﴾ (حجر ۲۳)

(اللہ فرماتا ہے) بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم

ہی سب کے وارث ہیں۔

اللہ فرماتا ہے۔

﴿إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ﴾ (ق ۲۳)

بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہمارے ہی پاس

لوٹ کر آنا ہے۔

ایک جگہ فرماتا ہے

﴿وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا﴾ (فرقان ۳)

وہ موت و حیات اور اٹھائے جانے کے مالک نہیں ہیں۔

لہذا غیر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ موت و حیات کے مالک ہے صریحاً شرک ہے۔ حاضر و ناظر کا مسئلہ اتنا مشہور ہے کہ بریلوی حضرات یہ کہتے ہیں کہ نبی حاضر و ناظر ہے تو دیوبندی فتوے کی مشین گن کا رخ بریلویوں کی طرف ہو جاتا ہے۔ جس میں سے مشرک کے فتوے کی بوچھاڑ نکلتی ہے لیکن جب اپنے گھر کی باری آئی تو ہر ایرے غیر کو حاضر و ناظر تسلیم کر لیا گیا۔ حالانکہ جیسے ذات کے لحاظ سے ان کے مولانا ہر جگہ حاضر ہوتے ہیں رب بھی نہیں ہوتا۔

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (طہ ۵)

اللہ عرش پر ہے۔

﴿وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (انعام ۸۰)

(لیکن اس کا) علم ہر چیز پر محیط ہے۔

اب علماء دیوبند کی بدترکی کا عالم دیکھئے۔ مصنف درس حیات لکھتے ہیں۔
مولوی عبدالغفور صاحب مدرس شمس الہدیٰ اور خاص مرید مولانا بشارت کریم صاحب ایک بار اپنے شیخ کی بارگاہ میں یہ خیال لے کر روانہ ہوئے کہ حضرت سے دریافت کروں گا کہ بعض ہزرووں کے متعلق جو یہ سنا گیا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں کئی جگہ موجود ہوتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے۔ باقی کا قصہ مرید صاحب کی زبانی سنئے۔

عقیدے کی بنیاد

”جب (وہاں) پہنچا تو نماز کا وقت تھا اس زمانے میں خود حضرت صاحب نماز پڑھایا کرتے تھے میں بھی جماعت میں شریک ہوا۔ نماز شروع ہوتے ہی مجھ پر ایک

پکڑ دھکڑ

اسی قسم کے تصرف کا ایک اور واقعہ پڑھ لیجئے۔ درس حیات کے مصنف اپنے والد کے تحصیل علم کا واقعہ ذکر کرتے ہیں۔ ”کہ والد صاحب گھر سے چلے کئی دن چلنے کے بعد کرمال پہنچے مسجد میں مابینا حافظ صاحب نے کہا خیر الدین! السلام علیکم! میرے پاس آؤ۔ میں نے توجہ نہ دی۔ سرسری جواب دیتے ہوئے نکل گیا۔ انہوں نے پکڑنے کے لئے شاگرد دوڑائے۔ میں قوی تھا سب کو جھٹک کر دور کھینک دیا اور آگے بڑھتا گیا یہاں تک کہ میں شہر پناہ کے پھاٹک سے جیسے باہر نکلا۔ اچانک زمین نے میرے قدم تھام لئے۔ بہت کوشش کی لیکن قدم ذرا بھی آگے نہیں بڑھ سکا۔ میرے ساتھیوں نے مل کر بہت زور لگایا لیکن وہ بھی میرے قدموں کو زمین کی گرفت سے آزاد نہیں کرا سکے۔ یہاں تک کہ مجبور ہو کر شہر کی طرف واپس لوٹ آیا اور وہیں سے اپنے ساتھیوں کو رخصت کیا۔ شہر میں آنے کے بعد مجھ کو خیال ہوا کہ وہ مابینا حافظ کون تھے جنہوں نے باوجود ما واقف اجنبی اور مابینا ہونے کے مجھ کو میرا نام لے کر پکارا۔ چلوں ان سے تحقیق حال کروں۔ میں جب ان کے پاس پہنچا تو وہ زور زور سے ہنسے اور کہا آخر آگئے بہت جان چھڑا کر بھاگے تھے۔

میں نے ان سے کہا ان باتوں کو چھوڑیے۔ آپ یہ بتلائیے کہ آپ نے مجھ کو کیسے پہچانا اور میرا نام آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے فرمایا کہ تمہارا نام! مجھ کو تو تمہارا حال معلوم ہے کہ کس غرض سے نکلے ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ جس طرح تم ادھر روکے گئے ہو ادھر نہیں روکے جاؤ گے۔ تمہارا علم کا ایک حصہ اس شہر میں مقرر ہے۔ جب تک تم اس کو حاصل نہیں کرو گے اس شہر سے نہیں نکل سکتے۔ (درس حیات ص ۱۵۶)

مابینا شخص کا قدموں کی آہٹ پا کر ایک اجنبی کو پہچاننا اور اس کا مقصد سفر تک کا معلوم کرنا اور پھر تقدیر کا نوشتہ پڑھ کر بتلانا کہ تمہارے علم کا ایک حصہ مقدر ہے اس شہر میں یہ ہو ر کس صفت الہی میں شرکت ہے اور پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ مسجد میں تو لڑکوں نے روکا اور شہر کے پھانگ پر زمین نے قدم جکڑ لئے۔ کیا زمین بھی حافظ جی کے حکم کے تابع تھی اور پھر ان کا یہ دعویٰ کہ ادھر روکے نہیں جائے گے تصرف کے باب میں سے نہیں تو اور کس باب سے ہے۔ اس واقعے کی کڑیاں دیوبندی شاید سراقہ کے واقعے سے ملانا چاہتے ہیں کہ سراقہ کے گھوڑے کے قدم زمین میں دھنس گئے اس نے معافی مانگی واپسی ممکن ہوئی۔ اسی طرح ان کے قدم بھی زمین نے پکڑ لئے جب تک کہ واپسی کا ارادہ نہ کیا زمین نے کوشش کے باوجود نہ چھوڑا جیسے یہ نبی کا معجزہ تھا ویسے ہی ان کے حضرت کا کمال تھا۔

اسی طرح کا ایک اور تصرف ارواح ثلاثہ کے مصنف بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حافظ کی غزل شروع کی اور ایک آدھ شعر پڑھ کر خود رک گیا اور کہا کہ مولانا آپ تو مجھے پڑھنے نہیں دیتے اور بعد میں کہا جب ارادہ کرنا تھا تب ہی کوئی انگلی زبان پر آ کر رکھی جاتی اور اسے دبا دیتی تھی۔ (ارواح ثلاثہ ص ۲۵۹)

یہاں تو برائی سے روکنے کا تصرف دکھایا اب دیکھئے نیکی کی توفیق کا ڈپو بھی اپنے گھر رکھ لیا۔

توفیق پیر

حالانکہ مسلمان یہ پڑھتے ہیں۔

﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾

کہ نیکی کی توفیق دینا اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ امداد الہیاق میں ہے
 ”کسی خادم نے حضرت سے بیان کیا کہ میں نے اب کے چلہ کھینچا اور روزانہ سو لاکھ
 اسم ذات پڑھا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا شاید حضرت مجھ سے ناراض ہیں شرم نہیں ملا۔ فرمایا
 اگر میں ناراض ہوتا تو تمہیں سو لاکھ پڑھنے کی توفیق ہی کہاں سے ہوتی۔ (ص ۱۲۳)
 یہ ہے وہ تصرف جس کا اظہار کئی جگہ پر دیوبندی علماء نے کیا ہے۔ اشرف علی
 تھانوی حاجی امداد اللہ کے مریدوں کی تربیت کے ایک واقعہ کی تشریح کرتے ہوئے
 لکھتے ہیں۔

”یہ ہے تربیت اخلاق اور تصرف کی قوت اس سے ظاہر ہے کہ چالیس روز
 میں واصل بنا دیا۔ (امداد الہیاق ص ۱۶۱)

تصورِ شیخ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرے حضرت باوجود اختلافِ
 احوال کے ایسا تصرف قوی رکھتے تھے کہ جس سے عقل حیران رہ جاتی تھی۔ حافظ محمود
 صاحب دہلوی مولانا مولوی مملوک علی صاحب ایک مرتبہ حضرت پیر و مرشد کی خدمت
 میں بعد بیعت کے حاضر ہو کر عرض کرنے گئے کہ مجھے تصورِ شیخ کی اجازت دیجئے
 تا کہ تصورِ شیخ کیا کروں حضرت نے فرمایا کہ جب محبت و عقیدت غلبہ کرتی ہے تب
 تصورِ شیخ کون کرنا ہے غلبہ محبت سے تصورِ شیخ خود بخود بڑھ جاتا ہے۔ حضرت کے
 اس فرمانے سے ایسا تصورِ شیخ ان پر غالب ہوا کہ ہر جگہ صورتِ شیخ کی نظر آتی تھی۔
 چلتے چلتے حیران ہو کر کھڑے ہو جاتے کہ صورتِ شیخ کی سامنے کھڑی ہے جہاں قدم
 رکھتے ہیں وہاں بھی صورتِ شیخ موجود ہے۔ نماز میں سجدے کی جگہ صورتِ شیخ دیکھ کر

نماز کی نیت توڑ دیتے تھے۔ حضرت سے عرض کیا کہ اب تو نماز پر دھنی مشکل ہو گئی ہے کس طرح پڑھیں۔ حضرت کی ادنیٰ توجہ سے جیسے یہ حالت پیدا ہوئی جاتی رہی اور دوسری حالت ہو گئی۔ (شام امدادیہ حصہ سوم ص ۸۱)

دیکھا آپ نے ذرا سی توجہ (یعنی تصرف) سے تعمیریں آگے پیچھے پھرنے لگیں۔ زیادہ توجہ سے معلوم نہیں کیا غضب ہو۔ ایک ہی شخص کو بہت سی جگہ پر دیکھنا کیونکر ممکن ہوا یہ کیسی کرشمہ سازی ہے۔

روشنی اندھیرا

امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت شیر خان صاحب جب حالت نوکری میں وقت شب ذکر لکھی و اثبات کرتے تھے تو ان کے منہ سے ظلمت و نور دونوں نکلتے تھے۔ مدت تک کسی کو معلوم نہ ہوا۔ ایک دفعہ وہ مسجد میں ذکر کر رہے تھے ایک شخص کا ادھر گزر رہا تھا اس نے دیکھا کہ مسجد میں کبھی اندھیرا ہو جاتا ہے اور کبھی روشنی ہو جاتی ہے۔ متحیر ہو کر سب دریافت کرنے مسجد کے اندر آیا۔ آپ کو دیکھا کہ ذکر میں مصروف ہیں جب لا الہ کہتے ہیں منہ سے تاریکی نکلتی ہے اور جب لا اللہ کہتے ہیں روشنی نمودار ہوتی ہے۔ (شام امدادیہ حصہ سوم ص ۸۲)

یہ روشنی نہ صحابہؓ اور نہ نبیؐ کے منہ سے نکلی اور نہ تابعین اور آئمہ دین کے۔ یہ بجلی گھر کیا ان کے منہ میں ہی فٹ تھا۔ یہ گپ بھی بریلویوں سے سنی تھی کہ ہمارے بزرگ نے ادھر سلام پھیرا تو ادھر والے حافظ اور ادھر پھیرا تو ناظرے والے بن گئے۔ اب ذرا توحید کے ٹھیکیداروں کی بھی سن لیں۔ ارواحِ ثلاثہ میں ہے۔

”حضرت حاجی صاحب قدس سرہ روپوں، پنجلا سے میں مقیم رہے اور وہیں توجہ کا

حلقہ ہوتا تھا۔ اس پر عبد اللہ شاد فرماتے ہیں کہ میاں یہ کیا حلقے وغیرہ تم نے بنائے ہیں ہم نے اپنے بادشاہ (شاد عبد الرحیم صاحب) کو دیکھا ہے کہ نماز میں جب داہنا سام بچیرا تو ادھر کی صف ٹوٹ گئی۔ جب بائیں سام بچیرا تو ادھر کے آدمی گر گئے۔ نہ حلقہ تھا نہ مجلس۔

ملنے سے زلزلہ

ارواحِ ثلاثہ کی ایک اور گپ سن لیں۔

”خان صاحب فرماتے ہیں کہ بلا مزامیر کے گانا ہو رہا تھا۔ مرزا غالب بھی تھے مومن خان کہیں سے مولوی محمد عمر کو پکڑ لائے وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو، مگر مومن خان نہیں مانتے تھے۔ آخر لا کر اس مجلس میں ان کو بٹھا دیا۔ گانا براہد ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر میں مولوی محمد عمر نے ایک بہت ہی معمولی سی حرکت کی۔ اس کے اثر سے سارا مکان ہل گیا۔ اس پر سب کو شبہ ہو گیا۔ یہ بھی خیال ہوا کہ شاید ان کی جنبش کا اثر ہو اور یہ بھی کہ شاید زلزلہ ہو۔ اس پر سب کی توجہ مولوی محمد عمر کی طرف ہو گئی۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے دوبارہ حرکت کی جو پہلی حرکت سے زیادہ تھی۔ اس سے مکان پھر ہل گیا۔ اور پہلے سے زور سے بلا اب تو یقین ہو گیا کہ یہ ان ہی کی حرکت کا اثر ہے تھوڑی دیر میں ذرا اور زور سے حرکت کی تو اس سے مکان کو اور زور سے حرکت ہوئی اور کڑیاں بھی بول گئیں اور طاقوں وغیرہ میں جو شیشہ آلات رکھے تھے وہ کھن کھن، کھن کھن کرنے لگے اس پر کسی نے یہ کہا مولوی محمد عمر یہ کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے مت بٹھاؤ اور یہ کہہ کر چل دیئے۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۱۷۵)

معلوم نہیں حرکت سے زلزلہ ہوا اور اٹھ کر چلنے سے مکان کیوں نہ گرا۔ اسے کیا کہیے خود فیصلہ کر لیں۔

بادل کی چھتری

اس سے بھی عجیب واقعہ مولانا جمیل الرحمن مفتی دارالعلوم دیوبند کی زبانی سن لیں فرماتے ہیں کہ ”ایک دفعہ ریاست علی خان حضرت مولانا مدنی اور میاں سید بشیر الدین صاحب حضرت مولانا کے سرال قتال پور ضلع اعظم گڑھ جا رہے تھے تینوں آدمی گھوڑے پر سوار تھے۔ گرمی کی شدت سے پریشان تھے۔ میں نے حضرت مولانا سے عرض کیا کہ حضرت دھوپ کی شدت سے سخت پریشانی ہے حضرت مولانا خاموش رہے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ ابد کا نکرا نمودار ہوا اور بڑھتے بڑھتے ہم لوگوں پر سایہ فلک ہو گیا اور نہایت آرام سے ہم لوگ چلنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ دور سے پانی آ رہا ہے۔ میں نے حضرت مولانا سے عرض کیا کہ حضرت وہ دھوپ ہی اچھی تھی اب تو بھیگتے ہوئے سرال پہنچیں گے۔ حضرت مولانا پھر خاموش رہے یہاں تک کہ پانی سر پر آ گیا لیکن خدا کی قدرت ہر چہار طرف پانی برس رہا تھا۔ گھوڑے پانی میں چل رہے تھے۔ ہم لوگوں پر پانی کا کوئی قطرہ نہیں پڑ رہا تھا۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۳۱۹)

جس طرح صحابیؓ نے نبیؐ سے پانی نہ ہونے کی شکایت کی تو نبیؐ کی دعا سے آسمان پر بادل نمودار ہوئے۔ ایسے ہی حضرت صاحب کی وجہ سے بادل نمودار ہوئے اور پھر آگے بارش آئی لیکن یہاں حضرت اور ان کے مریدین فضیلت لے گئے کہ نبیؐ اور صحابہؓ تو بھیگتے ہوئے گھر پہنچے اور یہ بارش کی موجودگی میں بھی بالکل سوکھے گھر

پہنچتے ہیں۔ یہ ہیں تعارفات کے کمالات۔

تقدیر کے کمالات

ہم نے موصد علماء کو اب تک اس شعر کا استہزا کرتے پایا کہ
لگاؤ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
حدیث میں جہاں القلم کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ تقدیر بدلتی نہیں اور

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ (آل عمران ۱۲۸)

کی آیت بھی کواہ ہے کہ تقدیر کا معاملہ نبی امام الانبیاء کے ہاتھ میں بھی نہیں۔

اسی طرح

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ (قصص ۵۶)

کی آیت بھی رشد و ہدایت میں صرف رب کے تصرف کا اعلان کر رہی ہے نبیؐ
کفار مکہ سے مایوس ہوئے اور ان کی تقدیر نہ بدل سکے۔ تو اللہ نے یوں ارشاد فرمایا۔

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ عَلَىٰ اثَارِهِمْ إِنَّ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِذَا الْحَدِيثِ

أَسْفًا﴾

اے نبیؐ کیا تو اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا ہے اس بات پر کہ یہ لوگ اس
قرآن پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔

اسکے برعکس علمائے دیوبند کے تعارفات ملاحظہ فرمائیں۔ مولوی محمد جمیل بیان
کرتے ہیں کہ میرا ایک لڑکا پڑھنے میں ہر شوق تھا اور اس میں آوارگی بھی آنے لگی
تھی۔ میں نے حضرات سے بار بار شکایت کی۔ ایک دفعہ حضرات نے اس لڑکے کے بھائی
سے کہا کہ بھائی کو کیوں نہیں لائے میں سمجھ گیا خاص اشارہ ہے میں نے فوراً اس آوارہ

گرد لڑکے کو حضرت کی خدمت میں بھیج دیا۔ میں یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ حضرت شیخ کی ایک ہی نظر نے اللہ کے علم سے لڑکے کی کاپی پٹ دی۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۳۲۲)

علم چھیننا اور دینا

ان کے حضرات کو اس پر کامل تصرف حاصل ہے کہ کسی سے علم چھین لیں اور کسی کو علم دے دیں۔ ایسے ماحول میں ”رب زدنی علماً“ کہنا فضول نظر آتا ہے کیونکہ لینے دینے کا معاملہ ان کے اپنے گھر کا ہے۔ مندرجہ ذیل واقعات اس پر دلیل ہیں۔

مولوی عبدالقیوم صاحب بیان کرتے ہیں کہ نذا حسین جب اکبری مسجد کے نیچے سے نکلتا جس میں شاہ عبدالقادر صاحب رہتے تھے تو بھاگ کر نکلتا تھا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ جب میں اس کے نیچے آتا ہوں تو جو کچھ میرے قلب میں ہوتا ہے سب ہو جاتا ہے اور جب مسجد کی حد سے خارج ہوتا ہوں پھر آ جاتا ہے۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۷۷)

مرزا مظہر جان جاناں فرماتے ہیں کہ جب ہم لڑکے تھے یہ (بزرگ) بھی ہمارے چاہنے والوں میں سے تھے اور یہ بھی ہمارے پاس آیا کرتے تھے۔ اس وقت ان کے ساتھ یونہی ہاتھ پائی ہوا کرتی تھی۔ جوں جوں ہم جوان ہوتے گئے ہمارے چاہنے والے رخصت ہوتے گئے مگر صرف یہ ایک شخص تھا جو برابر آتا رہا۔ اب خدا نے ہمیں ہدایت کی اور ہم سلوک کی طرف متوجہ ہوئے اور خدا کے فضل سے صاحب اجازت ہوئے۔ ایک روز ہمیں خیال ہوا کہ یہ شخص باوقار دوست ہے۔ اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ میں نے جو اس کی طرف توجہ کی تو میں اس کے عکس ہی میں دب

گیا اور میں نے اس کو اپنے سے بہت اونچا دیکھا۔ اب میں بہت پریشان ہوا اور میں نے اس کا نہایت ادب کیا اور اپنی جگہ اس کے لئے چھوڑی اور کہا میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں آپ میری جگہ تشریف رکھیں اور میں آپ کی جگہ۔ مگر اس نے نہ مانا۔ میں نے نہایت اصرار کیا مگر اس نے میرے اصرار پر بھی نہ مانا اور کہا تمہیں میرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا ہوگا جو اب تک کرتے رہے ہو۔ اس کو میں نے نہ مانا۔ اس پر انہوں نے میری تمام کیفیت سب کر لی اور میں کورا رد گیا۔ اب میں بہت پریشان ہوا اور میں نے کہا کہ میری کیفیت دے دو۔ اس پر انہوں نے کہا اس شرط پر واپس کرنا ہوں کہ وعدہ کرو کہ مجھ سے ہمیشہ وہی برتاؤ کرتے رہو گے جو اب تک کرتے رہے ہو اور یہاں نہیں بلکہ جامع مسجد میں سب لوگوں کے سامنے۔

لگتی ہیں گالیاں بھی تیرے منہ سے کیا بھلی
قربان تیرے پھر مجھے کہہ دے اسی طرح
یہ شعر خان صاحب نے اپنی طرف سے پڑھا۔

میں نے ماجا راس کو منظور کیا اور اس مجبوری سے ایسا کرنا ہوں۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۴۵)
امیر شاہ خان صاحب فرماتے ہیں کہ ایک بخاری بزرگ عبد القادر صاحب کی خدمت میں گئے۔ وہاں نہایت زدہ بیٹھے اور تھوڑی دیر بیٹھے۔ وہاں سے واپسی میں میں نے ان کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ ان کی حالت میں کچھ نہیں بیان کر سکتا۔ کیونکہ جب میں نے اکبری مسجد کی میز میوں پر قدم رکھا تو جو کچھ میرے پاس تھا سب ہو گیا اور میں کورا رد گیا اور جب واپس ہو کر میز میوں پر آیا تو پھر مجھے مل گیا۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۱۴۳)

اشرف علی تھانوی کہتے ہیں کہ انہوں نے ثقات سے سنا ہے کہ دونوں بزرگ

(عبدالرحیم صاحب اور سید احمد صاحب) ایک دوسرے کی طرف ہو کر کیفیات و نسبت کا مبادلہ کیا کرتے تھے۔ (ارواحِ علائقہ ص ۱۸۳)
یہ تو تھا علم سلب کرنا اور ذرا عطا کرنا بھی دیکھئے۔

”ایک دفعہ مولوی صاحب یعقوب صاحب مانوٹوی مہتمم مدرسہ دیوبند فرمانے لگے۔ بھائی آج صبح کی نماز میں ہم مر جاتے پس کچھ ہی کسر رہ گئی۔ لوگ حیرت سے پوچھنے لگے۔ آخر کیا حادثہ پیش آیا۔ سننے کی بات یہی ہے جواب میں فرما رہے تھے کہ آج صبح میں سورۃ مزمل پڑھ رہا تھا کہ اچانک علوم کا اتنا عظیم الشان دریا میرے قلب کے اوپر گزرا کہ میں تجس نہ کر سکا اور قریب تھا کہ میری روح پرواز کر جائے کہتے تھے کہ وہ تو خیر گزری کہ وہ دریا جیسا کہ ایک دم آیا ویسا ہی نکلا چلا گیا اس لئے میں بچ گیا۔ کہتے تھے کہ علوم کا یہ دریا جو اچانک چڑھتا ہوا ان کے قلب پر سے گزر گیا یہ کیا تھا (خود ہی اس کی تشریح بھی انہی سے بایں الفاظ اسی کتاب میں پائی جاتی ہے) کہ نماز کے بعد میں نے غور کیا کہ یہ کیا معاملہ تھا تو متعجب ہوا کہ حضرت مولانا مانوٹوی ان ساعتوں میں میری طرف میرٹھ میں متوجہ ہوئے تھے۔ یہ ان کی توجہ کا اثر ہے کہ علوم کا دریا دوسروں کے قلوب پر موجیں مارنے لگے اور تجس دشوار ہو جائے (اصل واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) خود ہی بتائیے کہ فکری و دماغی علوم وائے بھلا اس کا کیا مطلب سمجھ سکتے ہیں۔ کہاں میرٹھ اور کہاں چھتہ کی مسجد میرٹھ سے دیوبند تک کا مکافی فاصلہ درمیان میں حائل نہ ہوا۔ (سوانح کاظمی ۱/۳۳۶)

علم دینے اور لینے کا یہ عجیب و غریب طریقہ نہ پڑھنے کا تصور نہ پڑھانے کا خیال توجہ کی توسیعی چوس کی طرح علم سلب کر لیا اور توجہ کی تو علم کا دریا بنے لگا۔ یہ معرہ بھی گیانی صاحب اور ان کی جماعت ہی حل کر سکتی ہے کہ دیوبند سے میرٹھ تک

کا فاصلہ نہ تو توئی صاحب پر حائل کیوں نہ ہوا۔
تصرف کا ایک اور انداز ملاحظہ فرمائیں۔

سید نور الحسن حاجی امداد اللہ صاحب کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ قاری نے ایک شعر پڑھا اور میرے قلب میں من کل الوجوه اس کی شرح آگئی اور یہ تصور کیا کہ یہ تو بہت ہی سہل ہے چنانچہ اسی شرح کو حضرت نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا جب نسخہ لے کر جائے اقامت پر پہنچا اور مثنوی شریف کو کھول کر دیکھا تو کچھ بھی سمجھ میں نہ آیا تھا سخت حیرت ہوئی تھی کہ یہ تو بالکل میرے ذہن میں قبل از تشریح حضرت صاحب آگئے تھے۔ اب کیا ہوا جب حاضر درس ہوتا تو تشریح قلب کی وہی حالت پاتا۔ اس وقت یقین ہوا کہ یہ محض تصرف شیخ ہے۔ (امداد اللہ ص ۱۸۰)

یہ تو شرح تھی جو توجہ تصرف سے آئی۔ اب ایک اور حالت ملاحظہ فرمائیے۔
حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ صحرا میں پھر رہا تھا ایک جھاڑی میں کچھ آثار آدمی کے معلوم ہوئے غور کرنے سے معلوم ہوا کہ وہی مجذوب صاحب ہیں۔ مجھ کو دیکھ کر بیٹھ گئے میں بھی بیٹھ گیا۔ مجھ کو توجہ جذب کی دینا شروع کی۔ جب مجھے آثار جذب معلوم ہونے لگے میں نے حضرت پیر و مرشد کا تصور کیا۔ اس وقت حضرت میرے اور ان کے درمیان حائل ہو گئے۔ مجذوب صاحب تہنم کرنے لگے۔
(شہنم امدادیہ حصہ سوم ص ۸۷)

انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں
زباں میری ہے بات ان کی
کا سا تصرف ملاحظہ فرمائیں

مولانا ناتوی نے تقریر فرمائی۔ بعض لوگ دفتری نہ آ سکے بعد میں آ کر دوبارہ فرمائش کی تو آپ نے مولانا احمد حسن صاحب امر وہی سے فرمایا کہ مولوی احمد حسن تم سنا دو اب میں بہت حیران تھا اس لئے کہ میں نے ٹھیک طور پر مولانا کی تقریر سنی بھی نہ تھی مگر مولانا کا حکم اس لئے میں نے بیان کرنے کا ارادہ کیا اور میں نے کہا۔ صاحبو! مولانا کی مثال دریا کی سی ہے اور میری مثال کوزہ کی سی۔ جو بات سلیجی ہوئی کہوں۔ اس کو مولانا صاحب کا مضمون سمجھا جائے اور جو الجھی ہوئی ہو اس کو میری طرف سمجھا جائے اس کے بعد میں نے تقریر بیان کی مگر مجھ کو تقریر کے دوران میں کچھ خبر نہ رہی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں مگر تقریر کے بعد لوگوں نے بیان کیا کہ من و عنن وہی تقریر تھی جو مولانا قاسم صاحب نے فرمائی تھی۔ (ارواح ثلاثہ ص ۲۹۳)

جب ان باتوں پر ارشد القادری صاحب نے دیوبندیوں پر گرفت کی تو انہوں نے یوں پیچھا چھڑانے کی کوشش کی فرماتے ہیں۔ ”علم لدنی وہ علم ہے جو بغیر خارجی اسباب و سائط کے دل میں خود بخود پیدا ہو جائے“ (انکشاف ص ۲۸۳)

ایک جگہ یوں جواب دیا:

اگر بقول مولوی ارشد القادری اس الزام کو تسلیم بھی کر لیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے ایسے علم (علم لدنی) کا ثبوت تو قرآن و حدیث میں موجود ہے اور من جانب اللہ اولیاء اللہ کیلئے تو ایک انعام ہے لہذا اس کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو اس نعمت عظمیٰ سے محروم اور علم لدنی کی حقیقت سے بالکل ما آشنا ہو۔ (انکشاف ص ۲۸۳)

رانا - ہنسنا

اسی طریقے سے اللہ کی یہ صفت ہے۔

﴿هُوَ أَضْحَكِي وَأَبْكِي﴾

وہی رلاتا ہے اور وہی ہنساتا ہے۔

اب اسی صفت کے مالک حاجی امداد اللہ کی سنیں۔ فرماتے ہیں۔
کہ ایک یار نے شکایت کی کہ اب تو روتے روتے میری پسلیاں پھٹنے لگی
ہیں۔ اس کا علاج کیجئے۔ جب ان کی وہ حالت بدل گئی پھر شکایت ہوئے کہ میری
حالت عنایت کیجئے ہم نے کہا پھر پسلیاں ٹوٹنے لگیں گی بلا سے۔ جو مزہ اس گریہ
وزاری میں تھا دوسری چیز میں نہیں۔

کتنا زبردست غلبہ اور تعارف ہے جب چاہا رلا دیا اور جب چاہا ہنسا دیا۔
تھانوی صاحب حاجی امداد اللہ کے تعارف کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔
”حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مجھے فرمایا کہ تمہاری خالہ تمہارے
لئے اولاد کی دعا کرنے کو کہتی ہیں۔ میں نے کہہ دیا میں دعا کروں گا لیکن میں
تمہارے لئے اسی حالت کو پسند کرتا ہوں کہ جیسا میں خود ہوں یعنی بے اولاد“

(افاضات الیومیہ جزو ۲ ششم ص ۲۵۰)

تعارف کے بارے میں دیوبندی عالم جامع کرامات اولیاء کے حوالے سے لکھتے ہیں
”اولیاء کرام تعارف کے مقام پر فائز کئے جاتے ہیں اور اس سلسلے میں بزرگان
دین سے بہت سی چیزیں منقول ہیں۔ (اکثرات ص ۲۳۶)

جس طرح اللہ وحدہ لا شریک ہے اس کی صفات الہیہ میں کوئی شریک نہیں۔
اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی جو صفات ہیں ان میں کوئی شریک نہیں۔ نبی ﷺ کی
صفات سے ایک صفت جس کا اظہار رسول اللہ ﷺ کی زبان یوں کرتی ہے۔

لا یخرج منها الا حق۔ (الحلیث)

میری زبان سے ہمیشہ حق ہی نکلتا ہے۔
اور یہی اللہ فرماتا ہے۔

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (نجم ۳-۴)

میرا نبی خواہشات سے نہیں بولتا بلکہ وہ وحی الہی ہوتی ہے۔
اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول ﷺ ہی کی گارنٹی دی ہے حتیٰ کہ کسی صحابی کی
گارنٹی نہیں دی۔ لیکن یہاں علمائے دیوبند کا دعویٰ دیکھئے۔ فرماتے ہیں۔

نا بیٹے کا دعویٰ

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی سے فرمایا کہ
فلاں مسئلہ شامی میں دیکھو۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہ مسئلہ شامی میں
تو ہے ہی نہیں۔ فرمایا کیسے ہو سکتا ہے۔ لاء شامی اٹھا لاء۔ شامی لائی گئی حضرت اس
وقت آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے۔ شامی کے دو ٹکٹ (دو تہائی) اوراق وائیں
جانب کر کے اور ایک ٹکٹ (ایک تہائی) بائیں جانب کر کے اندر سے ایک کتاب
کھولی اور فرمایا کہ بائیں طرف کے صفحے پر نیچے کی طرف دیکھو۔ دیکھا تو وہ مسئلہ
اسی صفحے پر موجود تھا۔ سب کو حیرت ہوئی حضرت نے فرمایا حق تعالیٰ نے مجھ سے
وعدہ کیا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا۔ (ارواح ثلاثہ ص ۳۱۰)

اس واقعہ پر مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کا حاشیہ پڑھیے۔
”یہی مقام نکل آنا گواہ تھا بھی ہو سکتا ہے مگر قرآن سے یہ بات کشف معلوم
ہوتا ہے ورنہ جزم کے ساتھ نہ فرماتے کہ فلاں موقعہ پر دیکھو۔ (حاشیہ ارواح ثلاثہ ص ۳۱۰)
اس بات سے قطع نظر کہ نلم غیب کا تجربہ کر لیا۔ اپنے متعلقین کو اور اسے انہوں

نے کشف گردانا۔ اصل قابل گرفت بات یہ ہے کہ گنگوہی صاحب کا یہ فرمانا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا۔ سوچئے یہ وعدہ کہاں ہوا۔ کیا معراج پر گئے تھے محمد ﷺ کی طرح وہاں ملاقات ہوئی اور وعدے وعید ہوئے یا موسیٰؑ کی طرح اس دنیا میں بمکلام ہوئے یا انبیاء کی طرح جبرئیل وحی لے کر آئے تھے کہ اللہ نے تم سے یہ وعدہ کیا ہے۔ یا وحی کے اور طریقوں کے ذریعے اطلاعات ہوئی۔ اب ہم کیا عقیدہ رکھیں کہ وحی بند ہوگئی جیسا کہ صحابہ کا عقیدہ تھا۔ ”انقطع الوحی“ یا

کیا حضرت گنگوہی نے اللہ تعالیٰ پر یہ بہتان نہیں باندھا۔

﴿يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ﴾ (یونس ۶۹)

یہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

لیجئے نبوت کا دعویٰ جو گنگوہی صاحب نے کیا ہے۔

نئے نبی کی اتباع

مولوی عاشق الہی میرٹھی لکھتے ہیں کہ بارہا آپ کو اپنی زبان فیض ترجمان سے یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے ”سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور یہ قسم (سے) کہتا ہوں کہ کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میری اتباع پر۔ (تذکرۃ الرشید ۲/۱۷۷)

اب دیکھئے مالک کائنات فرمانا ہے۔

﴿الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ﴾

حق تیرے رب کی طرف سے ہے۔

اور جو رب کی طرف سے اترے وہ کلام الہی ہے اور وہ نبی پر اترتی ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ رشید احمد گنگوہی صاحب نبی تھے۔ اسی لئے تو ”صرف گنگوہی صاحب کی زبان سے نکلنے والا کلمہ حق ہے۔“ اور پھر اتباع کا دعویٰ بھی خالصتاً انبیاء و الا دعویٰ ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں۔

﴿ اَنْ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ ﴾

یہ کہ میرا راستہ صراطِ مستقیم ہے اس کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں کی اتباع نہ کرو

اسی طرح ایک اور جگہ اللہ فرماتا ہے۔

﴿ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾ (آل عمران ۳۱)

اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔ ہر زمانے میں ہدایت اور نجات موقوف ہوتی ہے اس زمانے کے نبی کی اتباع پر جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں۔

من اطاعني دخل الجنة و من عصاني فقد ابى

جس نے میری اطاعت کی وہ تو جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

جب اس بات ”کہ سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے“ پر گرفت کی گئی تو دیوبندی عالم نے اس کا یوں جواب دیا اور یہ ظاہر ہے کہ ایک قبیح سفت اور کامل التقویٰ کی زبان لمحہ حق کو ہوتی ہے اور مقصد صرف یہ ہے کہ حق ہی نکلتا ہے باطل نہیں۔ (انکشاف ۱۷۹)

اسی طرح ”بمیلوی فتنے کا نیا روپ“ کے مصنف لکھتے ہیں کہ ”بقول امام غزالی

بعض علماء کا قول ہے کہ حکماء کے منہ پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ ان کے منہ سے صرف وہ حق ہی نکلتا ہے جو اللہ ان پر کھوتا ہے۔ (انکشاف ص ۱۵۹)
اسی لئے مرثیہ ص ۱۲ پر ہے۔

ہدایت جس نے ڈھونڈی دھری جا
جاگر ہوا گمراہ وہ میزاب ہدایت تھے
کہیں کیا نص قرآنی۔

دوسرے فقرے کہ ”ہدایت و نجات میرے اتباع پر موقوف ہے“ کی گرفت کا ان الفاظ میں جواب دیا۔ ”در اصل یہ استعارہ ہے چونکہ حضرت گنگوہی کی زندگی کا ایک لمحہ قرآن و حدیث کی صحیح اتباع میں ڈوب چکا ہے اس لئے آپ کی اتباع دراصل قرآن و حدیث کی اتباع ہوگی۔ (انکشاف ص ۱۸۰)

اب جب اس زمانے میں ہدایت و نجات رشید احمد گنگوہی کی اتباع پر موقوف ہے تو گنگوہی صاحب کے نبی ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے کیونکہ نجات تو نبی ہی کی اتباع میں ہے۔

توہین نبی

اور قاری طیب صاحب کا یہ بیان بھی نبوت کی طرف پیش قدمی ہے۔ لکھتے ہیں ”حضور کی شان محض نبوت ہی نہیں نکلتی بلکہ نبوت بخشی بھی نکلتی ہے کہ جو بھی نبوت کی استعداد پایا ہو اگر آپ کے سامنے آگیا نبی ہو گیا۔ (آفتاب نبوت ص ۱۹)

اسی لئے خاتم النبیین کی تشریح مولانا قاسم نانوتوی اس طرح کرتے ہیں کہ
”اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی

میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“ (تخذیر الناس ص ۳۵)

اور جماعت احمدیہ خاتم النبیین کے معنوں کی تشریح میں اسی مسلک پر قائم ہے جو ہم نے سطور بالا میں جناب قاسم مانوٹوی کے حوالہ جات سے ذکر کیا۔

ایک جگہ مانوٹوی صاحب نے یوں فرمایا، انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر اتنی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔ (تخذیر الناس ص ۵)

لیجئے اس کے بعد گنگوہی صاحب کی ایک اڑان جو انہیں امتی سے نبی کی طرف محو پرواز ہے۔

پُر اسرار دنیا

ارواحِ ثلاثہ میں ہے۔

ایک دفعہ حضرت گنگوہی صاحب جوش میں تھے اور تصور شیخ کا مسئلہ درپیش تھا۔ فرمایا کہہ دوں عرض کیا گیا کہ فرمائیے پھر فرمایا کہہ دوں عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ پھر فرمایا کہہ دوں عرض کیا گیا فرمائیے تو فرمایا تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ پھر اور جوش آیا فرمایا کہہ دوں عرض کیا گیا کہ حضرت ضرور فرمائیے۔ فرمایا کہ اتنے سال حضرت ﷺ میرے قلب میں رہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا پھر اور جوش آیا فرمایا کہہ دوں عرض کیا گیا حضرت ضرور فرمائیے مگر خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا بس رہنے دو۔ اگلے دن بہت سے اصراروں کے بعد فرمایا کہ بھائی پھر احسان کا مرتبہ رہا۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۳۰۸)

اب اشرف علی تھانوی کی تاویل بھی سماعت فرمائیے۔
 ”مصورت کا حاضر رہنا اور اس سے مشورہ لینا یہ اکثر تو تنخیل کی قوت ہے اور کبھی
 خرق عادت کے روح کا تمثیل بہ شکل جسد ہو جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں لزوم
 دوام نہیں۔“

روح کا تمثیل بہ شکل جسد کیسے جب کہ اللہ کے رسول تو خواب میں آنے کی
 اطاعت دے رہے ہیں اور پھر تھانوی صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ لزوم دوام
 نہیں۔

حالانکہ گنگوہی صاحب کہتے ہیں تین سال کامل امداد اللہ صاحب اور اتنے
 سال۔ یہ اتنے سال قلب میں رہنا لزوم دوام نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ کبھی خرق عادت
 والی بات تو نہیں بنتی اور پھر مرتبہ احسان کو پہنچے ”کمانک سراہ“ کو یا رب کو دیکھ
 رہے تھے یا تجلیات الہیہ کی کوئی تجلی تھی۔

جب زلزلے کے مصنف نے اس واقعے پر کہا کہ معاذ اللہ کیا پھر اللہ کا چہرہ رہا
 دل میں“ تو اس کا ان الفاظ میں جواب دیا ”کس قدر جاہلانہ بات ہے۔ اگر آدمی
 جاہل مطلق نہ ہو تو اس میں معاذ اللہ کی کیا بات ہے۔ کیا معاذ اللہ خدا کا چہرہ اس
 آدمی کے نزدیک شیطان کا چہرہ ہے جسے مومن کے دل میں نہیں ہونا چاہیے۔
 بریلوی فتنے کا نیا روپ ص ۱۶۵)۔

پروے ہٹا کر کی یا پروے میں رہ کر اگر پروے ہٹا کر کی تو اللہ کا یہ کہنا ”لن
 نرانی“ غلط ہوا اور ”لا تملو کہ الابصار و هو یدرک الابصار“ کا معنی کچھ اور
 کرنا پڑے گا اور اگر پروے میں رہ کر کی۔ تو کلیم اللہ ہونے میں کیا شک رہ جاتا
 ہے کیونکہ ان کے ہاں کلیم اللہ ہونا بھی آسان ہے اور حق تعالیٰ کو دیکھنا بھی ممکن۔ یہ
 واقعہ اس پر دلیل ہے۔

دیدارِ الہی

مولانا اشرف علی نے استفسار کیا کہ رویت حق کی اس عالم میں ممکن ہے یا نہیں فرمایا ممکن ہے معنی آیت ”لا تدركه الابصار و هو يدرك الابصار“ کے یہ ہیں کہ اس بصارت ظاہری سے رویت حق تعالیٰ ممکن نہیں ہے اور جب نظر بصیرت (باطنیہ) حاصل ہو جاتی ہے۔ بصارت (ظاہری) پر غالب آتی ہے۔ پس عارف حقیقت نظر بصیرت سے دیکھتا ہے اگر یہ سمجھتا ہے کہ آنکھوں سے دیکھتا ہے تو اس کی غلطی ہے دلیل اس بات کی کہ اس نظر سے نہیں دیکھا یہ ہے کہ اگر آنکھ بند کرے رویت بدستور رہے۔ دوسرے یہ کہ یہ دید آنکھوں کی عارضی محتاج نور آفتاب کی ہے۔ بخلاف اس دید کے محتاج نور بصیرت ہے بدون پر تو اس نور کے غیر ممکن و محال ہے۔ پھر مولانا نے استفسار فرمایا کہ خطاب لہن قرانی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیوں کیا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ اس میں نفی رمت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور یہ درست ہے کہ عارف دیکھتا ہے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتا بلکہ دید حق سے دیکھتا ہے اور نیز اس میں نفی رمت ذات ہے کیونکہ فنائے عبد اس کو لازم ہے اور جب ہوا پھر رویت کی۔ (شام الدادیہ ص ۷۸ ص ۷۸)

کیا نظر بصیرت (باطنیہ) اللہ کے رسول ﷺ کو بھی حاصل نہ تھی۔ کیا انہیں نور بصیرت حاصل نہ تھی اور کیا دید حق انہیں حاصل نہ تھا۔ اس لئے اللہ کے رسولؐ سے پوچھا جاتا ہے۔

﴿ہل رایت ربک قال نورانی اراہ﴾ (مسلم)

کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے (آپؐ نے فرمایا) خدا تو نور ہے اس کو

کیونکر دیکھوں نبی تو دیکھنے سے مجبور اور ان کے کرتوت سنیں۔
 قابلِ داد بات یہاں یہ ہے کہ جتنے سال محمد ﷺ گنگوئی صاحب کے قلب
 میں رہے۔ گنگوئی صاحب سے جتنے گناہ غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئیں۔ وہ سب
 انہوں نے رب و رسول کے کھاتے میں ڈال دیں۔ قیامت کے دن اگر پوچھ پچھ
 ہوئی بھی تو رسول اللہ کو جرم بنا کر کہہ دوں گا کہ ان سے پوچھ کر کی تھی۔ ان کا
 اجازت نامہ ساتھ تھا۔ کتنی بڑی جسارت ہے حضرت کی، کہ اپنے جوارح اور
 قرطاس کی تمام افلاطون کی طرف منسوب کر دیا کہ خلاف اسلام امور انہوں نے
 نبی کے ایما پر ہی کئے تھے۔

نئے کلیم اللہ

اس واقعے میں رب کے نبی ﷺ سے بمکلام ہوئے، رب کو گویا دیکھا۔
 لیجئے! اب کلیم اللہ بننے کی طرف پیش قدمی۔ ارواحِ ثلاثہ میں ہے کہ ”خان صاحب
 نے فرمایا کہ ایک مرتبہ صبح کے وقت جناب مولوی محمد یعقوب صاحب مدرسہ میں اپنی
 درسگاہ میں پریشان اور خاموش بیٹھے تھے۔ میں اور چند اشخاص بھی اس وقت پہنچ
 گئے۔ مولانا نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”مُو رات مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی۔
 میں نے حق تعالیٰ سے کچھ عرض کیا حضور نے کچھ جواب ارشاد فرمایا میں نے پھر کچھ
 عرض کیا (جو کہ ظاہراً گستاخی میں داخل تھا) اس کے جواب میں ارشاد ہوا بس پُپ
 رہو۔ بکو مت! ایسی گستاخی۔ یہ سن کر میں خاموش ہو گیا اور بہت کچھ استغفار و
 معذرت کی۔ بالآخر میرا قصور معاف ہو گیا۔ اس کے بعد آسمان سے ایک پیڑھایا
 اُڑن کھولا (یہ مجھے یاد نہیں کہ کیا فرمایا تھا) اتراجس کی پٹیاں، سیر و پائے سب الگ

الگ تھے۔ میں نے عرض کیا حضور میں سمجھ گیا۔ حضور نے فرمایا ہاں (آپنی کلام) خان صاحب نے فرمایا یہ وہ زمانہ تھا جس زمانے میں حضرت مولانا نوٹوی برص موت ملیل تھے۔ مولوی فخر الحسن نے اس واقعے کو حضرت مولانا کی خدمت میں بیان کیا تو آپ گھبرا کر اٹھ بیٹھے اور گھبرا کر فرمایا کہ فو مولوی یعقوب صاحب نے ایسا کیا تو بہ توبہ بھائی یہ انہی کا کام تھا کیونکہ مجذب ہیں۔ اگر ہم ایسی گستاخی کرتے تو ہماری گردن منپ جاتی۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۳۳۲)

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ گفتگو اللہ کے ساتھ کہاں ہوئی عرش پر یا فرش پر ارواحِ ثلاثہ کے مصنف لکھتے ہیں۔

رب کا پیار

مولانا شاہ فصل الرحمن اپنے مرید سے مختلف باتیں فرماتے رہے۔ بعض بعض یاد بھی ہیں مثلاً فرمایا کہنے کی بات تو نہیں لیکن تم سے کہتا ہوں کہ جب میں جدہ کرنا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے پیار کر لیا۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ بھائی ہم تو قبر میں نماز ہی پڑھا کریں گے۔ دنا ہے کہ ہمیں تو اللہ میاں قبر میں یہ اجازت دے دیں کہ بس نماز پڑھتے جاؤ۔ تیسری بات یہ فرمائی کہ جب جنت میں جائیں گے (اور یہ ایسے طور پر فرمایا جیسے یقین ہو کہ جنت میں ضرور جائیں گے حق تعالیٰ سے ایسی قوی امید تھی کہ کچھ شک نہ تھا) اور حوریں آئیں گی تو ہم صاف صاف ان سے کہہ دیں گے کہ بی بی اگر قرآن سنا ہو تو سناؤ ورنہ جاؤ اپنا رستہ لو۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۳۵۸)

جب رب سے ایسی یاری ہے کہ نعوذ باللہ رب سے گویا پیار کر واتے ہیں تو پھر جنت میں نہ جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ان کے ذہن کی پرواز ہی ہو سکتی

ہے ورنہ کسی نبی کے منہ سے بھی یہ بات نہیں نکلی کہ کو یا سجدے میں رب نے پیار کر لیا ہو۔ اسی طرح مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔

کہ حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک مرید نے اپنے مرشد سے شکایت عدم رومیۃ حق تعالیٰ کی کی۔ جواب دیا کہ اس وقت نماز عشاء کی نہ پڑھو۔ مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اس کو تعجب ہوا اور فرض ترک کرنا گوارا نہ ہوا۔ صرف سنت نہیں پڑھی۔ رات کو حضرت رسالت پناہ ﷺ کو دیکھا (خواب میں) کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے کیا کیا تو نے میری سنت ترک کر دی۔ صبح کو اس مرید نے مرشد سے کیفیت بیان کی انہوں نے کہا کہ اگر فرض (نماز) ترک کرتے خدا کا دیدار ہوتا۔ (شام امدادیہ حصہ دوم ص ۶۵)

دیکھ لیا کتنا آسان طریقہ ہے دیدار الہی کا۔

قیامت قائم

کوئی کہہ سکتا ہے یہ تو خواب کا واقعہ ہے جس میں نبیؐ کو عالم الغیب بھی ثابت کیا گیا ہے۔ لیجئے یہ شک بھی رفع کر لیجئے حضرت بشارت کریم صاحب کے مرید پنڈت کی کہانی سنیں۔

مصنف درس حیات ایک معتبر روای سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت کے حجرہ خاص میں میرے اور پنڈت جی کے سوا کسی کو بھی باریاب ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک دن بعد مغرب اپنے حجرہ خاص میں حضرت تلاوت کر رہے تھے۔ ایک گوشے میں پنڈت جی مراقب تھے اور دوسرے گوشے میں میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک پنڈت جی چیخے 'پھر ترپے' پھر بے ہوش ہو گئے۔ حضرت تلاوت روک کر

ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب انہیں ہوش آیا تو دریافت کیا کیا بات ہے کیا دیکھا۔ پنڈت جی نے عرض کیا بادشاہ میں نے دیکھا قیامت قائم ہے میدانِ حشر میں حق تعالیٰ عرش پر جلوہ گر ہے حساب کتاب ہو رہا ہے مخلوق کا بے پناہ جہوم ہے آپ بھی ہیں میں بھی ہوں۔ آپ مجھ کو پکڑے ہوئے عرش الہی کی طرف بڑھ رہے ہیں جب قریب پہنچے تو آپ نے مجھ کو دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور عرش الہی کی طرف بڑھایا۔ میں حق تعالیٰ کے جلالِ ہیبت و عظمت سے چیخ اٹھا۔ حضرت نے یہ سن کر سب عادت تھوڑا سا سکوت فرمایا اور ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا مبارک ہو نور اللہ (پنڈت جی کا نیا نام) اس سے بڑھ کر اور کیا چاہتے ہو۔ (درسِ حیات ص ۳۰۴)

ایک عام آدمی بھی اس واقعے کو دیوانے کی بڑکہ کر گزر جاتا ہے کیونکہ اس نے قیامت سے پہلے قیامت 'حساب و کتاب اور اللہ کو دیکھ لیا۔ حالانکہ نہ تو قیامت قائم ہوئی کہ مبارک ہو اور نہ لوگوں کا اثر دھام ہوا لیکن دیوبندیوں کے حضرت جی کی اس تصدیق کو کیا کیا جائے کہ نور اللہ اور کیا چاہتے ہو۔ یہ پنڈت جی کا کمال سمجھیں یا حضرت کے فیضانِ محبت کا عروج کہ ایک نو مسلم جیتے جاگتے اپنی دنیا کی آنکھ سے وہ کچھ دیکھ رہا ہے جس کا انکار قرآن کی یہ آیت کر رہی ہے۔

لا تدركه الابصار

اور جس کو حضرت عائشہ بہتان کہہ رہی ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ محمد ﷺ نے اللہ کو دیکھا وہ بڑا بہتان باندھتا ہے۔ (ترمذی)

اور ان لوگوں کی دنیا میں صرف پنڈت ہی نہیں بہت سے لوگ آسمان کی سیر کر آتے ہیں۔

نئی معراج

حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا روم مادر زاد ولی تھے۔ ایک بار عالمِ طفلی میں لڑکوں کے ساتھ کھیلتے تھے۔ لڑکوں نے کہا کہ آؤ آج اس مکان سے دوسرے مکان پر جست لگائیں۔ آپ نے فرمایا یہ کھیل تو بند روں، کتوں اور بلیوں کا ہے۔ انسانوں کو چاہیے کہ زمین سے جست لگائے۔ یہ کہہ کر غائب ہوئے لڑکوں میں شور و غل پیدا ہوا اور ان کے والدین کو بھی اضطراب ہوا۔ تھوڑی دیر بعد آپ ظاہر ہوئے اور بیان کیا کہ جیسے ہی میں نے وہ کلمہ کہا۔ مجھے دو فرشتے چہارم آسمان پر لے گئے۔ مجھے وہاں کے جانب و غائب دیکھنے سے گریہ طاری ہوا۔ میری حالت دیکھ کر پھر زمین پر چھوڑ گئے۔ (شام امدادیہ حصہ سوم ص ۱۰۵)

ایسا لگتا ہے کہ مولانا روم کا کہنا حکمِ الہی تھا۔ جس کے فرشتے بھی پابند ہیں اور اگر حضرت کی حالت غیر نہ ہوتی تو پتہ نہیں کب تک آسمان پر بہیرا کرتے اور حیر چائے کرتے۔

عرش کے نیچے

ایجنے عالمِ اسفل سے عالمِ بالا کی طرف ایک رنگین مزاج شاعر کی پرواز۔ مولانا قاسم مانوٹوی کے ایک رنگین مزاج شاعر کو ایک لڑکے سے عشق ہو گیا اور عشق کی بیماری نے اس زہر سے حملہ کیا کہ مانوٹوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں۔

کہ حضرت میں سارے کاموں سے بیکار ہو گیا۔ نکما ہو گیا۔ اب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا خدا کے لئے میری امداد فرمائیے۔ فرمایا بہت اچھا۔ بعد مغرب

جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود رہیں۔ شاگرد بیان کرتا ہے۔ میں مغرب کی نماز پڑھ کر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا۔ جب حضرت علامۃ الاولیاء سے فارغ ہوئے تو آواز دی۔ مولوی صاحب میں نے عرض کیا حضرت حاضر ہوں میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ ہاتھ لائے میں نے ہاتھ بڑھالیا۔ میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے اس طرح رگڑا جیسے بان بٹ جاتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے بالکل عیاں (کھلی آنکھوں سے) دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں اور ہر چار طرف نور اور روشنی نے میرا احاطہ کر لیا ہے گویا میں دربار الہی میں ہوں۔ (ارواح ثلاثہ)

ہاتھوں کا لمس تھا یا اللہ دین کا چہرہ اُن کا آن واحد میں فرش سے عرش تلے پہنچا کے دم لیا۔ جہاں سرور کائنات کے علاوہ کوئی بشر نہیں پہنچ سکا تھا۔ اب تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ تمام پیش قدمیاں نبی بننے کی طرف ہیں ورنہ اشرف علی تھانوی یہ بات کبھی نہ کہتے

اشرف علی رسول اللہ

جب ان کا مرید یہ خواب دیکھتا ہے کہ وہ خواب میں کہہ رہا ہے

لا اله الا الله اشرف علی رسول الله

اور پھر اٹھ کر بھی اس کے منہ سے درود پڑھتے ہوئے محمد ﷺ کی بجائے مولانا

اشرف علی ٹکٹا ہے۔ (رسالہ امداد ص ۳۵)

تو بجائے اس کے اشرف علی صاحب اسے ڈانٹتے اور ایمان کی تجدید کرواتے

وہ یہ بات کہتے ہیں۔ ”اس واقعے میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو

وہ بعونہ تعالیٰ قبیح سنت ہے۔“ اور حاجی امداد اللہ صاحب یہ بات نہ کہتے ”مراقبہ فرمایا معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ قبر مقدس خود سے بصورت حضرت میا نجو صاحب قدس سرہ نکلے اور عمامہ لپیٹا اپنے دست مبارک میں لئے ہوئے تھے میرے سر پر غایت شفقت سے رکھ دیا اور کچھ نہ فرمایا اور واپس تشریف لے گئے۔ راقم مسکین کہتا ہے کہ یہ عبارت اجازت مطلقہ آنجناب رسالت ﷺ کا جس طرح رسول خدا کے معجزات تھے بالکل اسی طرح ان لوگوں نے علماء کے بارے میں کیا ہے۔ جس سے نبی کے معجزے کی وقعت ختم ہو کر رہ جاتی ہے مثلاً اللہ کے رسول کے معجزات میں سے یہ معجزہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول نے ایسے کنویں میں وضو کیا جس میں سے پانی نچوڑ لیا گیا تھا تو پانی اتنا ہو گیا کہ لوگوں نے خود پیا اور جانوروں کو پلایا۔ (بخاری) اور آپ کی انگلیوں سے چشموں کی مانند پانی بہا اور ۱۵۰۰ افراد نے وضو کیا اور پانی پیا۔ (متفق علیہ)

اسی طرح ام سلیم نے جو کی چند روٹیاں تیار کیں اور اس کو ریزہ ریزہ کر کے گھی ڈالا تو ۸۰۷ افراد نے اس سے پیٹ بھر لیا۔ (متفق علیہ)

اسی طرح غزوہ تبوک کے موقع پر لشکر کو شدید بھوک نے آٹھیرا۔ اللہ کے رسول نے بچا کھچا کھانا منگوایا۔ کوئی شخص مٹھی کھجور کی لاتا اور کوئی نگراروٹی کا۔ دسترخوان پر تھوڑی سی چیز جمع ہوئی۔ آپ نے برکت کی دعا کی۔ پورے لشکر نے اپنے برتن بھر لئے اور خوب پیٹ بھر کر کھایا اور باقی بہت سانچ گیا۔ (مسلم)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کے لئے نبیؐ نے چند کھجوروں میں برکت کی دعا کی۔ ان میں سے حضرت ابو ہریرہؓ ”کئی سال تک خود کھاتے رہے لوگوں کو کھلاتے رہے اور صدقہ کرتے رہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ ”اس توشہ دان میں سے نبیؐ کی

نصیحت کے مطابق ہاتھ داخل کر کے کھجوریں نکالتے رہے اور اس کو کھولا یا جھاڑا نہیں۔ (ترندی)

الکل اسی قبیل کے واقعات ان حضرات کے بزرگوں کے بارے میں بھی پڑھ لیجئے۔ حسین احمد مدنی کانگریس کے مشہور لیڈروں میں سے تھے۔ مسلم لیگ کے سخت مخالفین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ انہی کا حیرت انگیز تعارف سنئے۔

نبیؐ سے مقابلہ

کانگریس کا جلسہ تھا جس میں حافظ محمد ابراہیم نے بھی شرکت کی۔ کھانا دس آدمیوں کے لئے چکوا یا گیا۔ لیکن شب کے کھانے میں دسترخوان پر ۳۰-۳۵ آدمی ہو گئے اور تقریباً اتنی ہی مقدار زمانہ میں تھی گھر میں تکلف بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ۷۰-۸۰ آدمیوں کا کھانا نکالا۔ لطف یہ ہے کہ صبح کو کافی کھانا دیکھیوں میں بچا ہوا پایا گیا۔ یہ محض حضرت کا تعارف روحانی تھا۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۷۶)

اسی طرح ایک موقع پر ۳۰-۴۵ آدمیوں کا کھانا ۵۰ سے زائد مہمانوں کو کھلایا۔ اور ۵۰-۶۰ آدمیوں کا کھانا سو سو آدمیوں کو کھلایا۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۳۴۲)

کیا روحانی تعارف کہہ کر اپنے حضرت کو رسول اللہ ﷺ کے برابر نہیں بٹھا دیا کہ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ ہے کہ جو کی چند روٹیوں سے ۷۰-۸۰ افراد کا پیٹ بھر گئے تو ہمارے حضرت نے بھی تو ۱۰ افراد کے کھانے سے ۷۰-۸۰ افراد کا پیٹ بھر دیا۔ نبیؐ نے تو برابر برابر کیا تھا یہاں صبح کو کافی کھانا موجود تھا۔ سبقت کس نے لی اور پھر جلسہ بھی کافروں کی حمایت میں انگریزوں سے مل کر اور مسلمانوں کے خلاف۔

اسی طرح حضرت جابرؓ نے جنگ خندق کے موقع پر جبکہ لشکر نے تین دن سے کچھ نہ چکھا تھا ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور ایک صاع (۲ کلو تقریباً) جو کی روٹی پکائی اور اللہ کے رسول ﷺ اور کچھ لوگوں کو دعوت دی۔ آپؐ نے اعلان عام کر دیا کہ اے اہل خندق جابرؓ نے تمہاری دعوت کی ہے جلدی کرو۔ آپؐ آئے، آئے اور ہانڈی میں لعاب دہن ڈال کر برکت کی دعا کی اور ہانڈی چوبیس سے نہ اتارنے کا حکم دیا۔ ۱۰۰۰ اصحاب نے کھانا کھا لیا لیکن سالن اور آٹا اتنا ہی باقی تھا۔ (متفق علیہ)

معجزات میں نقل

اسی طرح کا واقعہ حسین احمد مدنی کا بھی سن لیجئے مولانا جمیل الرحمان مفتی دارالعلوم دیوبند کہتے ہیں۔

ایک دعوت میں ۸۰ افراد کے لئے کھانا پکایا گیا۔ مگر اچانک مہمانوں کی تعداد ۳۰۰ ہو گئی میزبان نہایت فکر مند ہوا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو احساس ہوا۔ صورتحال معلوم کرنے کے بعد کھانے کے پاس تشریف لے گئے اور پلاؤ کی دیگ کا حضرت نے ڈھکن اٹھایا اور کچھ پڑھا۔ اور ایک لقمہ چاول دیگ میں سے نکال کر آدھے کھائے اور آدھے دیگ میں ڈال دیئے شور بے کے برتن سے کچھ شوربا پیا باقی دیگ میں ڈال دیا۔ روٹی کے ڈھیر میں سے ایک لقمہ توڑ کر کھایا مگر اس میں کچھ ڈالا نہیں اب مجھے حکم دیا کہ رہ مال لو اور دیگ پر ڈھانک دو اور یہیں رہو۔ تم خود کھانا نکالو مگر کوئی چیز کھلنے نہ پائے۔ اس طرح نکالو کہ تمہاری نظر بھی کھانے پر نہ پڑے۔ ہر مہمان کو خوب تشاخص سے کھانا کھلایا۔ الغرض وہی ایک دیگ جو معمولاً ساٹھ افراد کے لئے کافی ہو سکتی تھی اس میں تین سو سے زائد افراد نے خوب شکم سیر

ہو کر کھانا کھایا اور شوربا اور روٹی کا سامان یوں ہی بچ گیا جس کو اگلے دن کھیا صاحب نے حضرت کے ہاں پہنچا دیا اور تمام مہمانوں کو ماشہ کر لیا۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۳۴۸)

کیا نبیؐ کی برادری میں کسی قسم کی کمی رہ گئی ہے۔ پھر کہنے والے کیوں نہ کہیں کہ ان کا اصل منصوبہ نبوت کا حصول ہے۔ صرف مرزا قادیانی کا انجام دیکھ کر ہونٹوں پر نالے ڈال رکھے ہیں ورنہ انتظامات تو مکمل کر لئے تھے۔

جیسے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں میں برکت تھی ”حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو آدھا حق دیا۔ وہ شخص اس کی بیوی اور اس کے مہمان اس میں سے ہمیشہ کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کو مایا تو وہ ختم ہو گیا۔ یہ شخص رسول اللہ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس کو نہ مایا پتے تو تم اس میں سے ہی کھاتے رہتے اور وہ تمہارے لئے باقی رہتا۔ (مسلم)

حضرت جابرؓ سے ہی روایت ہے کہ ام مالک رسول اللہ ﷺ کو کھنٹی میں گھی بھیجتی۔ ام مالک کے بیٹے اس سے کھانے کو مانگتے تو وہ اس کھنٹی میں سے ان کو دیتی اور کھنٹی میں ان کے لئے ہمیشہ گھی رہتا۔ یہاں تک کہ ام مالک نے اس کو نچوڑا پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی تو آپ ﷺ نے کہا اگر تو اس گھی کو نہ نچوڑتی تو وہ گھی ہمیشہ تیرے گھر رہتا۔ (مسلم)

اس سے ملتا جلتا واقعہ ان کے قبیلے کے ایک حضرت کا بھی منس لیجئے۔

”ایک دن فرمایا کہ خانقاہ شجلاہ میں جو نالاب ہے اسکو حضرت حاجی صاحب شہید نے اپنے ہاتھ سے کھودا ہے۔ پیر جیو محمد جعفر صاحب ساڈھوری نے عرض کیا کہ حضرت پہلے تمام سال اس نالاب میں پانی بکثرت رہتا تھا۔ دوسرے نالاب سارے سوکھ جاتے تھے مگر اس کا پانی خشک ہونا کبھی نہیں دیکھا۔ مگر اب دس بارہ برس ہوئے

اس تالاب کو گاؤں والوں نے صاف کیا اور مٹی نکال کر اس کو گہرا کر دیا ہے اس وقت سے یہ بات جاتی رہی اب تو برسات برسات پانی نظر آتا ہے اور بعد میں سوکھ جاتا ہے۔ برسات کے بعد ایک ماہ پورا بھی اس تالاب میں پانی نہیں رہتا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا ہاں جو بات اس تالاب میں تھی وہ جاتی رہی۔ (ارواح ثلاثہ ص ۱۹۰)

جیسے نبیؐ کے ہاتھوں میں برکت تھی ویسے ہی ان کے حضرت کے ہاتھ میں بھی تھی۔ اب بھی کوئی شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ یہ نبیؐ کی برآمدی کرنے والے ہیں۔ اسی طرح مولانا محمد جمیل الرحمن مفتی دارالعلوم دیوبند بیان کرتے ہیں۔

دیوبند ضلع بھڑوچ کجرات میں تقریباً تین چار سال ہوئے حضرت جب تشریف فرما ہوئے تو وہاں کے ایک کنویں کے کھاری ہونے کی حضرت سے شکایت کی حضرت نے علیحدہ پانی پر دم کیا جس کو کنویں میں ڈال دیا گیا اور دعا بھی فرمائی اس کے بعد کنواں شیریں ہو گیا۔ (شیخ الاسلام نمبر ص ۳۳۱)

اللہ کے رسول ﷺ تو قلیل کو کثیر کرتے تھے یہ کھاری کو شیریں کر دیتے ہیں۔ یہ تو تمہیں نبیؐ بننے کی کاوشیں۔ اب لیجئے صحابہؓ بننے کی کوششیں فوت شدہ انبیاء اور اولیاء سے ملاقاتیں تذکرۃ الرشید کے مصنف لکھتے ہیں۔

روحوں سے ملاقاتیں

ایک شخص بذریعہ خط آپ سے بیعت ہوئے اور تحریری تعلیم پر ذکر میں مشغول ہوئے چند روز میں ان پر یہ کیفیت طاری ہوئی کہ اولیاء سلاسل کی ارواح خیبات سے لقاء حاصل ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے انبیاء علیہم السلام کی پاک روحوں سے ملاقات ہوئی رفتہ رفتہ یوں محسوس ہونا تھا کہ سر سے لے کر قدم تک رگ رگ ہال

میں ارواحِ ضیبات سے وابستگی ہے۔ اسی حالت میں ایک مدہوشی اور سکر کا عالم پیدا ہوتا ہے جس میں مغیبات کا انکشاف اور مجلسِ سرورِ عالم ﷺ کی درباری کا اعزاز حاصل ہوتا ہے۔ (تذکرۃ الرشید ۲/۱۳۳)

پہلے اولیاء و انبیاء کی روحوں سے ملاقات اور پھر مغیبات کا انکشاف اور پھر درباری رسولؐ پتہ نہیں نبیؐ کا کہاں دربار لگتا تھا جہاں یہ درباری کے فرائض سرانجام دیتے تھے اور پھر عالمِ ارواح کی روحوں سے ایسے ملاقات ہوتی ہے جیسے بچپن کے لنگوٹی یاروں کے درمیان۔

کیا انبیاء سے ملاقات کے بعد کوئی شک کر سکتا ہے کہ اس کا مقام صحابی کے مقام کے برابر نہیں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ واقعہ خواب میں نبی ﷺ کے آنے والے معاملے سے مماثلت نہیں رکھتا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ پڑھیں۔ ارواحِ ثلاثہ کے مصنف لکھتے ہیں۔

نبیؐ اور خلفاء کا تشریف لانا

”دیوانِ محمد بنیمن مرحوم جو حضرت امامِ توی رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں سے تھے فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ بھٹہ کی مسجد کے شمالی گنبد کے نیچے ذکرِ جہر میں مصروف تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے صحن میں اسی شمالی جانب مراقب اور متوجہ تھے اور توجہ کا رخ میرے ہی قلب کی طرف تھا۔ اسی اثناء میں مجھ پر ایک حالت طاری ہوئی اور میں نے بحالتِ ذکر دیکھا کہ مسجد کی چار دیواری تو موجود ہے مگر چھت اور گنبد کچھ نہیں بلکہ ایک عظیم الشان روشنی اور نور ہے جو آسمان تک فضاء میں پھیلا ہوا ہے۔ یکایک میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک تخت اتر رہا ہے اور اس پر جناب رسولؐ

اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں اور خلفائے اربعہ ہر چار کونوں پر موجود ہیں۔ وہ تخت اترتے اترتے بالکل میرے قریب آ کر مسجد میں ٹھہر گیا اور آنحضرت ﷺ نے خلفاء اربعہ میں سے ایک سے فرمایا کہ بھائی ذرا مولانا محمد قاسم کو بلا لو۔ وہ تشریف لے گئے اور مولانا کو لے کر آ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا مدرسہ کا حساب لائیے عرض کیا حضرت حاضر ہے اور یہ کہ حساب بتلانا شروع کیا اور ایک ایک پائی کا حساب دیا۔ حضرت ﷺ کی خوشی اور مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا اچھا مولانا اب اجازت ہے حضرت نے عرض کیا جو مرضی مبارک ہو۔ اس کے بعد وہ تخت آسمان کی طرف عروج کرتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔ اب ذرا اس واقعہ پر حضرت تھانوی صاحب کا حاشیہ پڑھیں۔

حضرت صاحب فرماتے ہیں۔

”یہ واقعہ ایک قسم کا کشف تھا جس میں ممکن ہے کہ مولانا کی توجہ کو دخل ہو جو تعارف کی فرد ہے۔ شاید تعبیر اس واقعہ کی یہ ہو کہ مدرسہ کی تصحیح حساب صاحب واقعہ کو دکھانا تھا تا کہ مترددین اسے سن کر مطمئن ہو جائیں باقی معاندین تو وحی میں بھی شبہ ڈال دیتے ہیں۔“ (ارواحِ ثلاثہ ص ۲۳۳)

یہ واقعہ کس دنیا سے تعلق رکھتا ہے کیا اسی دنیا سے جس دنیا میں نبی کو میلاد شریف میں بلانے والوں کو مشرک کہا جاتا ہے اور خود نبیوں کی طرح پائی پائی کا حساب دینے کے لئے نبی اور خلفاء کو اپنے در پر بلایا اور پھر نبی کو عالم الغیب ثابت کیا کہ عالم ارواح سے عالم دنیا میں حضرت مافوتوی کو بری کرنے آرہے ہیں اور پھر تھانوی صاحب کا حاشیہ ان کے عقیدہ توحید کی قلعی کھولنے کے لئے کافی ہے کہ جس کے چہ چہ ہر سو ہیں۔

ایک اسی قسم کا واقعہ اور سن لیجئے۔

حضرت مافوقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اکثر دیکھتا ہوں کہ حضور ﷺ تشریف لاتے ہیں اور اپنی رداء مبارک میں مجھے ڈھانپ کر کبھی اندر لاتے ہیں اور کبھی باہر لے جاتے ہیں۔ سوتے اور جاگتے یہی منظر آنکھوں کے سامنے رہتا ہے کہ حضور رداء مبارک لئے رہتے ہیں اور الگ کرنا نہیں چاہتے۔ سب حضرات نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ ان مفسدوں کو مفسدہ پرہیزی اور شر سے تحفظ منظور ہے لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں مولانا کی عمر ختم ہو چکی ہے اور حضور کو یہ دکھانا منظور ہے کہ جب لوگ اپنے ہو کر ایسے مفسد ہو گئے کہ خدا کے ایسے مقدس بندوں پر الزام لگانے سے نہیں شرماتے تو ہم بھی ایسی ہستی کو اب ایسے لوگوں میں رکھنا نہیں چاہتے کہ یہ لوگ اب اس قابل نہیں چنانچہ حضرت زیادہ زندہ نہیں رہے۔ قریب ہی زمانے میں وفات ہو گئی۔

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ یہ ایک کھف صحیح ہے۔ (ارواحِ علائق)
یعنی یہ صرف خواب کا واقعہ نہیں بلکہ سوتے جاگتے یہی حالت ہے کہ اکثر نبی کو اپنے خادم کی حیثیت سے چادر اٹھائے دیکھتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک)
اور معلوم نہیں اللہ کے رسول کو موت کے قریب موت کا پرہانہ دکھانے کے لئے کیوں بلایا جاتا ہے جیسا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شاہ ولی اللہ جب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو مقتضائے بشریت بچوں کی صغریٰ کا تردد تھا۔ اسی وقت جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ (تو کا ہے کا فکر کرے ہے جیسی تیری اولاد ویسی ہی میری) پھر آپ کو اطمینان ہو گیا۔ (ارواحِ علائق ص ۲۳)

معلوم نہیں گنگوئی صاحب کو شہاد صاحب کے اس واقعہ کا علم کیسے ہوا یا ان پر بہتان باندھا ایک تو نبی کو بلایا اور دوسرا نبی کو اولاد کی خبر گیری کرنے والا ثابت کیا۔ کیا اللہ کے رسول کے ذمے عالم ارواح میں یہ ڈیوٹی لگائی گئی ہے اور بقول گنگوئی کے پھر شہاد صاحب کو اطمینان ہو گیا "کس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مردوں سے تجھ کو امیدیں اور خدا سے مامیدی بھلا بتا تو سہی پھر اور کافر کی کیا ہے خدا رازق ہے اور اللہ نے رزق دینے کا وعدہ بھی کیا ہے اس کا وہ وعدہ تو یاد نہیں اور اس پر اطمینان نہیں۔ رسول اللہ کو بلایا اور ان سے دلا سہ لیا اور بات صرف دلا سے والی ہی نہیں بلکہ بیعت وغیرہ کے سلسلے بھی جوڑے جاتے ہیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ

نبیؐ سے امداد اللہ صاحب کی بیعت

میری بیعت باطن بلا واسطہ خود رسول اللہ ﷺ سے اس طرح ہوئی کہ میں نے دیکھا کہ حضور ایک بلند جگہ پر رونق افروز ہیں اور حضرت سید احمد شہید کا ہاتھ آپ کے دست مبارک میں ہے اور میں بھی اسی مکان میں بوجہ ادب کے دور کھڑا ہوں حضرت سید صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر حضور کے ہاتھ میں دے دیا۔ خدا نے مجھ کو کچھ اور بھی دکھایا ہے اگر ظاہر کروں تو تم لوگ کچھ کا کچھ کہو گے (پھر وہ کیفیت مجھ سے خفیہ بیان کی)۔ (شائم امدادیہ ص ۱۰۸)

صحابی بننے میں کیا کسر باقی ہے اور وہ خفیہ باتیں کس قسم کی ہیں۔ اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگالیں کہ اگر ظاہر کروں تو تم لوگ کچھ کا کچھ

کہو۔ ایک تو تھا خود زیارت کرنا۔ اب لیجئے لوگوں کو زیارت کروانا۔

وفات کے بعد زیارتِ نبیؐ

حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولوی قلندر صاحب کو ہر روز زیارت رسول اللہ ﷺ کی ہوتی تھی۔ ایک دن کسی جمال کے لڑکے کو کہ سید تھا طمانچہ مارا۔ اس دن سے زیارت منقطع ہو گئی۔ مدینہ منورہ کے مشائخ سے رجوع کیا۔ انہوں نے ایک زن وانیہ مجذوبہ کے حوالے فرمایا جب وہ عورت مسجد نبوی میں آئی اور مولانا نے عرض کیا۔ سنتے ہی جوش میں آئی اور مولانا کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

”شف هذا رسول الله صلى الله عليه وسلم“

پس (مولانا نے) بیداری میں چشمِ ظاہر سے زیارت کی۔ اس سے پہلے اس لڑکے سے خطا بھی معاف کرانی تھی مگر کچھ مفید نہ ہوا۔ (شام امدادیہ حصہ دوم ص ۷۵)

اس واقعے کو بار بار پڑھ جائیے اور ان سوالات پر غور فرمائیے۔

کیا طمانچہ مارنے کی خبر نبی ﷺ کو ہو گئی تھی کہ زیارت نہ کروائی۔

نبی ﷺ فوت ہو جانے کے بعد مسجد میں کیا کر رہے تھے؟

اگر ان کے بقول نبی ﷺ وہاں تھے تو وہاں امامت کروانے والے کتنے بے ادب اور گستاخ تھے۔

عجب تیری دنیا کا تماشا دیکھا

صاحب ارواحِ ثلاثہ لکھتے ہیں۔

ایک جگہ مانو تو صاحب سے روافض نے کہا کہ اگر آپ بیداری میں ہم کو حضرت ﷺ کی زیارت کروادیں۔ اور حضور اپنی زبان سے ارشاد فرمادیں کہ آپ

سچ کہہ رہے ہیں تو ہم اہلسنت و الجماعت میں داخل ہو جائیں گے۔ فرمایا کہ تم سب اس پر پختہ ہو تو میں بیداری میں زیارت کرانے کے لئے تیار ہوں مگر یہ روافض کچھ کچے ہو گئے۔

اشرف علی تھانوی صاحب حاشیہ میں کہتے ہیں۔

یا تو اس تعارف پر قدرت ہوگی۔ یا لو اقسام علی اللہ لا برہ پر اعتماد ہوگا۔

(ابواب ثلاثہ ص ۲۸۳)

کیا تعارف پر قدرت کا مطلب یہ سمجھیں کہ یہ جب چاہیں اللہ کے رسول کو قبر سے نکال کر لوگوں کے سامنے کھڑا کریں۔ کتنا عجیب دعویٰ کیا کہ میں زیارت کرانے کے لئے تیار ہوں۔

لیجئے اک اور تماشا۔ حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

”حضرت سید حسن و بلدی کہ ملقب بہ رسول نما ہیں دو ہزار روپیہ لے کر زیارت

رسول ﷺ سے مشرف کرتے تھے۔ (شام امدادیہ حصہ دوم ص ۶۳)

یہ تو تھانوی کی زیارت کرنا اور کروانا۔ اب باری ملائکہ کی ہے۔

حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

میں مراقبہ میں تھا سیدنا جبریل و سیدنا میکائیل علیہما السلام کو بغایت جلال

ملکاتی و نہایت جمال نورانی، سنبل کا کل سیاد کندھوں پر ڈالے ہوئے اور سبز نہ اگے

ہوئے دیکھا محو خود رفتہ ہو گیا۔ (شام امدادیہ)

کیا انسان کا اس دنیاوی زندگی میں فرشتوں کو دیکھنا ممکن ہے سوچیں اور غور کریں۔

نبی اشرف علی کے ہم شکل

ملا جیون طالب علم مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون نے قین خواب دیکھے اور وہ کہتا ہے

”میں نے حضور ﷺ کو آپ کی شکل میں دیکھا اور پھر میں اور آدمیوں سے کہتا تھا کہ حضور ﷺ ہمارے مولانا تھا نوی کی شکل میں ہیں۔ (اصدق الروایہ ص ۳۵، ۳۶)

وحدت الوجود اور دیوبندی

در اصل عقیدہ وحدت الوجود جس کو دیوبندی اور بریلوی علماء تسلیم کرتے ہیں ان کو ان کے صوفیاء کی طرف سے ورثاً ملا ہے اور یہ قسم شرک فی الذات کی ہے۔ شرک کی دوسری قسم شرک فی الصفات ہے اور دیوبندی حضرات شرک کی اس قسم میں اللہ کی صفات میں غیر اللہ کو شریک کر کے بھی موصد ہونے کے دعویدار ہیں۔

اب وہی جرم دیوبندیوں کا بھی ہے جس جرم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو کافر قرار دیا۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ غَيْرُ بَنِي اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَتَلْنَاهُمْ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (توبہ: ۳۰)

ترجمہ: یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں جو کافر ان سے پہلے گزر گئے یہ ان ہی کی ہی باتیں بنا رہے ہیں اللہ انہیں برباد کرے یہ کدھر بھٹکے ہوئے جا رہے ہیں۔ اسی طرح اللہ نے مشرکین کے اس عقیدے کا رد کیا کہ فرشتے اور جن اللہ کی بیٹیاں اور بیٹے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے:

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا آلِهَ نِسِينَ وَنَسَبَ بَعْضُ عِلْمِهِمْ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَصِفُونَ﴾ (العام: ۱۰۰)

اور ان لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک بنالیا حالانکہ اللہ نے جنات کو پیدا کیا ہے اور انہوں نے بغیر علم کے اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں بنا رکھی ہیں اللہ پاک اور بلند ہے ان باتوں سے جو یہ کرتے ہیں۔

اسی طرح دیوبندی خود بھی بریلویوں کے ”نُورٌ مِّنْ نُورِ اللّٰهِ“ والے عقیدے (کہ محمد ﷺ اللہ کے نور میں سے نور ہیں) کو شرکیہ قرار دے کر ان کو مشرک گردانتے ہوئے اصل جہنم کرتے ہیں لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بریلویوں کی طرح دیوبندیوں کا بھی عقیدہ وحدت الوجود پر کامل ایمان ہے اور عقیدہ وحدت الوجود کے اس معنی میں کسی کو اختلاف نہیں کہ کائنات میں دراصل ایک ہی وجود ہے اور مخلوق (انسان و حیوان) اس وجود کی مختلف شکلیں ہیں۔ جیسے برف اور بھاپ پانی کی مختلف شکلیں ہیں۔

صوفیہ کے مندرجہ ذیل اشعار سے بھی عقیدہ وحدت الوجود کا معنی واضح سمجھ آ جاتا ہے۔ محمد یار گڑھی اپنی کتاب دیوان محمدی میں لکھتے ہیں:

خدا کی پاک صورت کو محمد میر کہتے ہیں

محمد بے کمورت کو خدایا پیر کہتے ہیں (ص ۱۳۱)

صورت ترجمان ہے تصویر میرے پیر کی

علم القرآن ہے تقریر میرے پیر کی (ص ۱۳۲)

کیا خدا کی شان ہے یا خود خدا ہے جلوہ گر

ماقی ہے اللہ سے تصویر میرے پیر کی (ص ۱۳۵)

خدا کہتے ہیں جس کو مصطفیٰ معلوم ہوتا ہے

جسے کہتے ہیں بند خود خدا معلوم ہوتا ہے (ص ۱۳۵)

بجاتے تھے جو ”اَللّٰہی عَبدہ“ کی ہنسی ہر دم

خدا کے عرش پر ”انسی انا اللہ“ بن کے نکلیں گے (ص ۱۴۹)

احمد احمد میں فرق نہیں اے محمد

مضائق یار رکھتے ہیں ایماں نئے نئے (ص ۱۵۲)

گر محمد نے محمدؐ کو خدا مان لیا

پھر تو سمجھو کہ مسلمان ہے دغا باز نہیں (ص ۱۵۳)

خدا کو ہم نے دیکھا ہے سدا مٹھن کی گلیوں میں

خدا پردہ ہے جلوہ نما مٹھن کی گلیوں میں (ص ۱۶۴)

احمد احمد ہے لیکن میم کے پردے میں آیا ہے

پہن کر یا کا پردہ مروتھا مٹھن کی گلیوں میں

خرام باز میں آیا تو دیکھا اور پہچانا

محمد مصطفیٰ یعنی خدا مٹھن کی گلیوں میں

خدا کو ہم نے دیکھا ہے سدا مٹھن کی گلیوں میں

خدا بے پردہ ہے جلوہ نما مٹھن کی گلیوں میں

فرید پاک کی صورت میں بے صورت کا جلوہ ہے

تو بے رنگی میں آ صورت بنا مٹھن کی گلیوں میں (ص ۱۶۵)

بندگی سے آپ کی ہم کو خدا بندی ملے

ہے خداوند جہاں بندہ رسول اللہ کا

احمد رضا صاحب فرماتے ہیں:

اٹھا دو پردہ دکھا دو جلوہ

کہ نور باری حجاب میں ہے

(عدالتی بخشش حصہ اول ص ۸۰)

ایک بریلوی عالم اپنے جذبات کا یوں اظہار کرتے ہیں
پردہ انسان میں آکے خود دکھانا تھا جمال
رکھ لیا نام محمدؐ تاک رسوائی نہ ہو (ص ۵۵)
حقیقت میں دیکھو تو خولہ خدا ہیں
ہمیں در پر خولہ کے جدے روا ہیں
(فاتحہ کا صحیح طریقہ)

اٹھا کے میم کا کھونگت جو جھانکا تیری کملی کو
تو دیکھا ذات احمد میں احد روپوش رہتا ہے
شریعت کا ڈر ہے نہیں تو صاف کہہ دوں
خود خدا رسول خدا بن کے آیا (ص ۵۶)
ایک اور صوفی یوں گویا ہوتے ہیں:

در پردہ نور قدیم توئی
بے پردہ روف رحیم توئی
(فتنہ آفتاب ص ۱۲۲)

طالب می اللہ می احمد می مازک
اغیار کہاں سب یار کی جلوہ گری ہے
جو ہیں مشتاق تھارہ وہ میرے خولہ کو آ دیکھیں
عیاں شانِ خدائی ہے فقط پردہ ہے نماں کا (ص ۱۵۳)

پنجابی ذوق رکھنے والے حضرات خواجہ غلام فرید کا کلام نہایت فرمائیں جس کا مجموعہ دیوان فرید کہلاتا ہے۔

اول اثر ظاہر باطن اس وا جان ظہور
آپ بنے سلطان جہاں وا آپ بنے مزدور (ص ۵۰ کافی ۵۲)
گمراہی سب زہد عبادت شاہد مستی عین ہدایت
جس جا کیتا عین ظہور (ص ۵۳ کافی ۵۷)

احد تے احمد فرق نہ کوئی واحد ذات صفات نہیں
حسن پرستی تے میٹھواری ساڈی صوم صلوٰۃ نہیں
(ص ۹۰ کافی نمبر ۹۹)

ہر صورت آہا بن احمد آیا موہیں چیں مچیں
حاکم ہو کر حکم چاڑھے آپ بنے مسکین
(ص ۱۲۵ کافی نمبر ۱۳۰)

آپ کرے بہر وعظ نصیحت آپ بجائے عین
خود عاشق خود معشوق بنیا سبحان اللہ سبحان اللہ
خود بلبل تے پروانہ ہے گل شمع اُتے دیوانہ ہے
(ص ۱۳۷ کافی نمبر ۱۵۵)

سب صورت وچ ذات سبحانی حق باجھوں یو غیر نہ جانی
نہ کوئی آدم نہ کوئی شیطان بن گئی اے سب کوڑ کہانی
(ص ۲۰۳ کافی نمبر ۲۲۶)

مظہر ذات صدہ و جانی توں اے روپ عنم و اے
(ص ۲۰۲ کافی نمبر ۲۲۵)

ہر صورت وچ آوے یار کر کے مار ادا لکھ وار
ہر مظہر وچ آپ سادے اپناں آپ کرے ویدار
کڈیں شہانہ حکم چااوے کڈیں گدا مسکین سداوے
ایہو عقیدہ دین ایمانے توڑے پکڑ چڑھاوے وار
(ص ۵۶ کافی نمبر ۶۰)

حسن ازل و اتھیا اظہار احدوں ویس ونا تھی احمد
(ص ۳۰ کافی نمبر ۳۰)

ہر صورت وچ یار کو جانیں غیر نہیں موجود
بھ اعداد کو سمجھیں واحد کثرت ہے مفقود
(ص ۳۲ کافی نمبر ۳۲)

سمجھد سچائی غیر نہ جانی سب صورت ہے عین ظہور
رکھ تصدیق نہ تھی آوارہ کعبہ قبلہ دیر ووارہ
مسجد مندر پکڑو نور

(ص ۲۸ کافی نمبر ۵۰)

خواجہ محمد یار فریدی دیوان محمدی میں لکھتے ہیں

محمد دی صورت صورت خدا دی
میرے دل توں نقش منا کوئی نہیں سکدا (ص ۱۸۱)
احد مال احمد رلا کیوں نہ ڈیکھاں

حبیب خدا کوں خدا کیوں نہ ڈیکھاں (ص ۱۸۵)
 خدا کوں ڈڈھیو سے محمدؐ دے اولے
 محمدؐ کوں ڈنڈیں ڈکھیندے گزر گئی (ص ۲۱۷)
 نبیؐ حسینؑ سینڈے منہ ڈکھانز توں صدتے
 خدا سین محمدؐ بڑا بنز توں صدتے (ص ۲۱۹)
 وہی پردے پاڑتے ڈیکھ ہر جالح موجودے
 خود فرید الدین کوں سمجھو معبودے مہبودے (ص ۲۳۳)
 بیوں دلبر دے باندر دردے ایہا ذات صفات
 بلبل ہاسے گل تھیا سے اللہ لات منات (ص ۲۳۲)
اللہ ڈوایا قوال مرید غلام از ڈیرہ غازیخان اس طرح قوالی کیا کرتے تھے
 خود احد ہے خود عیاں ہے خود نہاں
 خود ازل ہے خود ابد ہے خود زماں ہے خود جہاں
 بے چکوں ہے بے نموں خود بے مثل ہے خود بے مثال
 جسم خود ہے جان خود ہے بے رنگ ہے خود بے نشان
 کر بلائے جنگ خود ہے مظلوم ہے خود بے قصور
 خود شہادت خود بغاوت ظلم ہے خود ظالماں
 میکدہ ہے خمر خود مے خوار ہے خود مے فروش
 خود مزد ہے خود نشہ ہے مخمور ہے خود ہستیاں
 خود مہا ابلیس بھی ہے خود تکبر خود غرور
 خود مفضل ہے خود منالیت خود خطا ہے گمراہاں

سب بظاہر میں جاہلی اور جمالی ہیں تمام
جلود گر ذات مطلق ہر طرح ہے بے گماں
(نقل کفر کفر نہ شد)

یہی عقیدہ جو ان اشعار سے واضح ہو رہا ہے دیوبندیوں کا ہے۔ مثلاً حاجی
امداد اللہ صاحب (جو دیوبندیوں کے امام ہیں دیوبندی انہیں اپنا پیر و مرشد تسلیم
کرتے ہیں۔ بڑے بڑے علماء مثلاً رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا
یعقوب وغیرہم نے ان کی بیعت کی ہے۔) وحدت الوجود کے بارے میں فرماتے
ہیں۔ ”مسئلہ وحدت الوجود حق و صحیح ہے۔ (شام امدادیہ حصہ اول ص ۳۲)
اول جس شخص نے اس مسئلہ (وحدت الوجود) میں خوض فرمایا۔ شیخ محی الدین
ابن عربی ہیں قدس سرہ ان کا اجتہاد اس مسئلے میں اور اثبات اس مسئلے کا براہین واضح
سے جمیع موصدان (وحدت الوجود دینے) کی گردن پر روز قیامت موجب احسان
ہے۔ (شام امدادیہ حصہ اول ص ۳۳)

اور وحدت الوجود کا معنی ہے ایک وجود۔ یعنی کائنات میں ایک ہی وجود دھرا
کوئی نہیں جیسا کہ ابن عربی کہتا ہے۔

ان الوجود المخلوق هو الوجود الخالق (شرح عقیدہ طحاویہ ص ۵۵۶)
مخلوق کا وجود دراصل خالق کا وجود ہے۔ گدھا، گھوڑا، کتا، سورا، انسان حیوان،
نبی ولی دراصل سب خدا ہی کا وجود ہے اسی لئے ابن عربی جو اس عقیدے کا علمبردار
ہے کہتا ہے۔

وفی کل شیء له آية تدل علی انه عینہ

اور ہر چیز میں اس کی نشانی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اس کا
بھین ہے پھر اس کی تشریح یوں کرنا ہے۔

فَمَا فِي الْوُجُودِ إِلَّا اللَّهُ

پس وجود میں اللہ کے سوا کوئی نہیں۔

یعنی ہر وجود میں اللہ ہے۔ (فتوحات کبریٰ ص ۱۷۲)

ایک جگہ ابن عربی یوں لکھتا ہے۔

انت تحسبہ محمدًا العظیم الشان کما تحسب السراب ماءً و
هو ماءً فی رائی العین فاذا اجشت محمدًا لم تجد محمدًا وجدت
انه فی صورة محمدیة ورايته برؤیة محمدیة (شرح عقیدہ طحاویہ ص ۵۵۶)

تم محمد ﷺ کو محمد گمان کرتے ہو جیسے کہ تم سراب کو دور سے دیکھ کر
پانی سمجھتے ہو اور وہ ظاہری نظر میں پانی ہی ہے مگر حقیقتاً آب نہیں بلکہ سراب ہے اس
طرح جب تم محمدؐ کے قریب آؤ گے تو تم محمدؐ کو نہ پاؤ گے بلکہ صورت محمدیہ میں اللہ
کو پاؤ گے اور رؤیت محمدیہ میں اللہ کو دیکھو گے۔

حلوہ اور غلیظ کھانا

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا یہ عقیدہ قابل عمل بھی ہے کہ خالق و مخلوق
خدا و بہت انسان و حیوان، نور و ظلمت، دن و رات، اچھا اور بُرا، پاک و ناپاک کو ایک
کر دیا جائے۔ آپ یہ پڑھ کر حیران ہوں گے کہ حاجی امداد اللہ صاحب نے تو اسے
قابل عمل بنانے کی کوشش کی ہے۔ اسی لئے حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ ”ایک موصد
(وحدت الوجودیہ) سے کسی نے کہا کہ اگر حلو و غلیظ ایک ہے تو دونوں کو کھائے۔“

انہوں نے شکل خنزیر ہو کر گوہ کھالیا پھر بصورت آدمی ہو کر حلوہ کھالیا۔ اس کو حفظ مراتب کہتے ہیں جو واجب ہے۔ (شائم امدادیہ حصہ دوم ص ۷۵)

تخریف قرآن

اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ کیا اس عقیدے کی دلیل قرآن و سنت میں بھی ملتی ہے تو حاجی صاحب نے قرآن و سنت میں تاویل کر کے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

اللہ لا الہ الا هو لہ الاسماء الحسنیٰ (الآیۃ)

اس آیت سے ایک راز مکنون پہلے نبی غیر کی فرما کر اثبات وحدت الوجود کا فرمایا۔ بعدہ فرمایا سوائے میرے جو کچھ ہے وہ انماء صفات میری ہیں۔ جو کچھ غیر ذات اس کے معلوم ہو وہ سب مظہر صفات ہیں۔ (شائم امدادیہ حصہ دوم ص ۷۰)

ایک جگہ فرمایا کہ چونکہ آنحضرت ﷺ اصل حق ہیں۔ عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم

مرجع ضمیر متکلم آنحضرت ﷺ ہیں مولانا اشرف علی (تھانوی) نے فرمایا کہ قرینہ بھی انہی معنی کا ہے۔ آگے فرمایا ہے:

لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔

اگر مرجع اس کا اللہ ہوتا فرماتا من رحمۃ نامی تاکہ مناسبت عبادی کی ہوتی۔

(شائم امدادیہ حصہ دوم ص ۷۱)

اور یہ تخریف معنوی کی شرمناک مثال ہے۔ یہ بھی نہ سوچا کہ ان کے معنی کی تردید قرآن کس طریقے سے کر رہا ہے۔ فرمایا:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَوْتِيَ إِلَهُهُ الْكِتَابَ وَالْحَكْمَ وَالنَّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ.

کسی نبی کے لئے یہ لائق نہیں کہ اللہ اس کو کتاب حکمت اور نبوت دے پھر وہ (لوگوں سے) یہ کہے اللہ کی بجائے میرے بندے بن جائے۔

خود سوچیں جو قرآن خود توحید پھیلانے آیا تھا کیا یہ اسی قرآن کی تحریف معنوی کر کے شرک پھیلانے کی دلیرانہ سازش نہیں ہے اور بعض لوگ حاجی امداد اللہ کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ امداد اللہ مہاجر کی کا تو نہیں ہے حالانکہ اس نقطہ پر غور نہیں کرتے کہ جب انہوں نے قرآن کی تحریف معنوی کر کے وحدت الوجود کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور وحدت الوجود کے عقیدے کو درست تسلیم کیا ہے تو لازمی بات ہے کہ اس کے مخالف عقیدہ (کہ مخلوق نہ خدا کے پر تو ہیں اور نہ ذات و صفات) کو غلط تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ ویسے امداد اللہ صاحب نے اپنے اس عقیدہ کا اظہار واضح الفاظ میں کیا ہے فرماتے ہیں: تا وقتیکہ ظاہر و مظہر میں فرق پیش نظر سالک ہے ہوئے شرک باقی ہے اس مضمون سے معلوم ہوا عابد و معبود میں فرق کرنا شرک ہے۔“ (شائم امدادیہ حصہ اول ص ۳۷)

یہ شرک کی عجیب قسم ہے جو نہ کبھی سنی اور نہ کبھی پرہی۔ حالانکہ عابد و معبود میں فرق ہی تو توحید ہے اور ان کی شرک کی تعریفیں بہت عجیب ہیں مثلاً ایک اور عجیب قسم شرک کی ملاحظہ فرمائیے۔ امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

ایک مرید نے کہا میرا ارادہ مدینہ طیبہ کا ہے، فلاں شخص کفیل زاد و سامان کا ہوا ہے اور وعدہ کیا ہے فرمایا کہ یہ شرک کی باتیں مت کرو خاموش رہو۔ (شائم امدادیہ حصہ دوم ص ۶۷)

رگ رگ میں خدا

دیکھا آپ نے یہ کیسی عجیب قسم ہے شرک کی۔ جیسے ان کی یہ تعریفیں سمجھ سے بالاتر ہیں۔ اسی طرح ان کی گفتگو سمجھ سے ماورا ہے۔ ایک جگہ حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ ”تکلم میں تفکر کرو۔ کہاں سے آتا ہے اور کون کہتا ہے آخر نوبت خدا تک پہنچ جائے گی اور ماسوا خدا عدم و فنا معلوم ہوگا مجھ کو کہ رگ رگ میں وہی (خدا) نظر آتا ہے۔ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ، اصل بحق ہیں عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں۔ (شام امدادیہ حصہ دوم ص ۷۱)

اب بتلائے عیسائیوں کا کیا قصور ہے کہ قرآن پاک نے انہیں کافر و مشرک قرار دیا ہے جب کہ وہ اپنے نبی کو اللہ کا جزو بناتے ہیں۔ اللہ نے انہیں اس طرح منع کیا:

وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْهَوِا. تَمَنُّ خُدا نَہ کہو منع ہو جاؤ۔

اور یہاں رگ رگ میں خدا نظر آتا ہے۔ خود سوچئے جب محمد ﷺ، اصل بحق ہیں تو عیسیٰ روح اللہ کا جزو کیسے نہیں اور عزیر اللہ کا حصہ کیسے نہیں۔ جب عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں تو اللہ اور رسول میں تفریق کیسی؟ دونوں ایک ہی تو ہیں۔ حالانکہ ہر مسلمان نبی کے خدا ہونے کے عقیدے کا انکاری ہے اور یہاں ظلم یہ کہ جانور بھی خدا بنے بیٹھے ہیں جیسا کہ حاجی امداد اللہ لکھتے ہیں کسی گرو کا چیلہ تو حید و جودی (وحدت الوجود) میں مستغرق تھا راستے میں ایک فیل مست ملا۔ اس پر فیل بان پکارتا تھا کہ یہ ہاتھی مست ہے میرے قابو میں نہیں ہے۔ اس (چیلہ کو) لوگوں نے بہت منع کیا مگر اس نے نہ مانا اور کہا وہی تو ہے اور میں بھی وہی ہوں۔ خدا کو

خدا سے کیا ڈر۔ (شائم امدادیہ حصہ سوم ص ۹۰)

کتا صاحب کمال

سوچنے کا مقام ہے کہ کہاں جانور بے عقل اور کہاں خدا کی ذات اعلیٰ۔ لیلین حاجی امداد اللہ صاحب کے نزدیک جانور بے عقل نہیں بلکہ صاحب کمال ہوتے ہیں کیونکہ خدا کے پر تو ہیں۔ حاجی امداد اللہ ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں:

حضرت جنید بغدادی بیٹھے تھے ایک کتا سامنے سے گزرا۔ آپ کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔ اس قدر صاحب کمال ہو گیا کہ شہر کے کتے اس کے پیچھے دوڑے۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گیا سب کتوں نے اس کے گرد بیٹھ کر مراقبہ کیا۔ (شائم امدادیہ حصہ دوم ص ۷۶)

دیکھا آپ نے کیسے ”نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں“ اب لگے ہاتھوں اس واقعے پر اشرف علی تھانوی کا تبصرہ بھی سن لیں فرماتے ہیں:

”بزرگوں کا عجب اثر ہوتا ہے اور عجب برکت ہوتی ہے۔ ایک بزرگ کے پاس ایک کتا آنے جانے لگا اس کا نام انہوں نے کھوارکھا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کتا کئی دن نہ آیا۔ بزرگ رقیق القلب ہوتے ہی ہیں اس گھٹے سے بھی تعلق ہو گیا تھا۔ دریافت فرمایا کہ کھوار کئی دن سے نہیں آیا۔ انہوں نے تو ایسے ہی معمولی طور سے دریافت کیا تھا لیلین مریدین و معتقدین اس کی تحقیقات اور تلاش کے درپے ہو گئے۔ دیکھا تو ایک کتیا کے پیچھے پیچھے پھر رہا ہے۔ ان لوگوں نے آکر یہی کہہ دیا کہ وہ تو ایک کتیا کے پیچھے پیچھے پھر رہا ہے۔ جب وہ کتا آیا تو ان بزرگ نے اس سے کہا کہ کیوں میاں تم بڑے مالائق ہو۔ ہمارے پاس آتے جاتے ہو اور پھر کتیا کے پیچھے پھرتے ہو۔ یہ سن کر وہ کتا وہاں سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں دیکھا گیا۔ ایک موری

میں سر دیئے ہوئے مرا ہوا پر ا ہے۔ دیکھئے جن کے فیوض جانوروں پر بھی ہوں۔ ان سے انسان کیسے خروم رہ سکتا ہے۔ (امداد الحق ص ۱۵۸)

انسان خود خدا

بجائے اس کے کہ اس عقیدے کے حاملین سے برأت کا اظہار کیا جائے، دیوبندیوں کے چیر و مرشد ایسے لوگوں کی عظمت پر سر ڈھن رہے ہیں اور ان کی وکالت کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں ”جس وقت نظر سالک تقیدات و ہستی ماسوا سے اٹھ گئی سوا خدا کے اور کچھ نظر نہیں آتا ہے بے خبر ہو جاتا ہے بلکہ اس معنی کا شعور بھی جاتا رہتا ہے سب خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ ہو ہو کہنے کا کیا ذکر انا انا کہنے لگتا ہے اس کو مرتبہ فنا در فنا کہتے ہیں۔ آپ کی خاص امت میں سے بایزید بستانی قدس سرہ نے کہا ہے کہ ”سبحانی ما اعظم شائی“ (میں پاک ہوں میری شان کتنی بلند ہے) اور منصور حلاج نے انسا الحق کہا (میں خدا ہوں) یہ سب اسی باب (وحدت الوجود) میں ہے۔ (شام امدادیہ حصہ اول ص ۳۵)

پیر خدا اور رسول

مسلمان ویسے ہی یہودیوں عیسائیوں پر اپنے انبیاء کو خدا کا بیٹا بنانے کے جرم میں مشرک کا فتویٰ لگاتے رہے۔ یہاں تو خاص امت محمدیہ کے بایزید بستانی اور منصور حلاج خود خدا بن گئے۔ بلکہ بقول ان کے خدا تمام انسانوں کی صورت میں فرش پر آگیا ہے حاجی امداد اللہ فرماتے ہیں کہ منیٰ میں ایک فقیر حجاج کا منہ ہلکتا پھرتا تھا کسی نے پوچھا کہ شاہ صاحب کیا دیکھتے ہو۔ جواب دیا خدا کو دیکھتا ہوں۔ (حضرت صاحب نے) فرمایا کہ حضرت حق (اللہ) صورت و شکل سے پاک ہے۔

اس کی صورت اگر ہے تو یہی انسان کامل ہے۔ پس انسان کامل حق (اللہ) نہیں۔
 صورت حق (اللہ) ہے اگر حق (اللہ) کی مجاہدت و مکالمت منظور ہو اولیائے کرام و
 عرفائے عظام کی صحبت اختیار کرے۔ (شائم امدادیہ حصہ سوم ص ۹۵)

یہ انسان کامل کو اللہ کی صورت بنا رہے ہیں اور قرآن یہ کہہ کر
 لیس کمثلہ شیء کہ اللہ کی مثل کوئی نہیں۔
 اس عقیدے کو غیر اسلامی بتلا رہا ہے۔

حاجی صاحب یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ ”حضرت ابو بکر صدیقؓ کی یہ صفت
 ہے کہ بعض لوگوں نے حضرت حق (اللہ) کو آپ کی مثل و ہیئت میں دیکھا ہے۔ اسی طرح
 ایک جگہ فرماتے ہیں انسان کا ظاہر عہد ہے اور باطن حق۔ (شائم امدادیہ حصہ دوم ص ۵۳)
 اسی طرح حاجی امداد اللہ صاحب ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں جس سے یہ ظاہر
 ہوتا ہے کہ اللہ ہر مثل میں کیا ہر وجود میں ہے فرماتے ہیں:

میں مسجد قبا کی زیارت سے فارغ ہو کر باہر آیا اور جوتے پہننے کا قصد کیا تو سنا
 کہ اندرون مسجد ایک شخص کہتا ہے ”یا اللہ باوجود“ اور دوسرا جو بیرون مسجد ہے
 کہتا تھا ”ہل فی کل الوجود“ (بلکہ ہر وجود میں) اس کو سن کر مجھ پر ایک حالت
 طاری ہوئی۔ بعدہ لڑکوں کو حنفیہ میں دیکھا کہ کھیل رہے ہیں اور ایک لڑکا کہہ
 رہا ہے۔ یا اللہ لیس غیرک (اے اللہ تیرے سوا کوئی نہیں) اس سے میں نہایت
 بے تاب ہوا اور کہا کیوں ذبح کرتے ہو۔ (شائم امدادیہ حصہ دوم ص ۷۲)

یعنی یہ بات دل کو بہت لگی کہ اللہ کے سوا کوئی وجود ہے ہی نہیں پھر ان آیات
 کا کیا کیا جائے جن میں خالق و مخلوق کا ذکر ملتا ہے اور انسان کی تخلیق کا ذکر
 ہے ﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ﴾ (الویۃ) اور تخلیق بھی حقیر پانی سے اور حاجی

صاحب کا حال تو یہ ہے کہ اگر کوئی خدا کا عین بنے سے انکار کرتا ہے تو زبردستی بنا دیتے ہیں۔ حاجی امداد اللہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں فرمایا کہ

”میں نے ایک بار حضرت پیر و مرشد کی شان میں محسوس کہا چونکہ مجھ میں ناب سنانے کی نہ تھی کسی اور کی معرفت حضرت کو سنوایا۔ آپ نے فرمایا خدا اور رسول کی صفت و ثناء بیان کرنا چاہیے۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے غیر خدا اور رسول کی مدح نہیں کی۔ (شام امدادیہ حصہ سوم ص ۹۵)

دیکھا آپ نے پیر نہ غیر خدا نہ غیر رسول۔ یعنی عین خدا بھی بن گئے اور عین رسول بھی۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

لا تطرونی کما اطرت النصارى عیسی بن مریم انما انا عبد
فقلوا عبد الله ورسوله (متفق علیہ)

مجھے اس طرح نہ بڑھانا جیسے عیسائیوں نے عیسیٰ کو بڑھایا تھا میں بندہ ہوں
پس مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہو۔

اور پیر صاحب خاموش رہے عین خدا بن کر بھی۔

تِلْكَ اِذَا قَسَمَ خِزَانِي

یہاں تو پیر صاحب مرید کو انکساری کے اظہار کیلئے مدح و ثناء سے منع کر رہے ہیں ورنہ عین خدا اور رسول بنانے پر خاموش نہ رہتے۔ لیکن ایک دوسرے واقعہ میں حاجی امداد اللہ صاحب مدح و ثناء خود کروا رہے ہیں ”ایک خادم (حضرت صاحب کے) نے کسی کتاب میں کلمہ امداد اللہ پڑھا اور کہا کہ نام نامی حضور کا اور مدح و ثنائے عالی پہلی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ فس کر فرمایا جہاں نظر کرو امداد اللہ ہے ظہور تمام (عالم) کا امداد اللہ سے ہے اگر مدح و ثناء امداد اللہ نہ کریں کم بختی آوے۔ (شام امدادیہ

حصہ دوم ص ۶۷)

حاجی امداد اللہ صاحب نے بعض مقامات پر ظاہر و مظہر کے الفاظ استعمال کئے ہیں ان کے معنی پر غور کیجئے۔ کہ ظاہر و مظہر سے مراد صفات ذات الہی اور پر تو ہے جیسا کہ حاجی امداد اللہ کے اس بیان سے اس کے معنی ظاہر ہوتے ہیں ”الیس مابکار نے ظاہر پر نظر کی اور نظر باطن پر نہ کی کہ آدم مظہر کس کے ہیں۔ (شام امداد یہ حصہ دوم ص ۶۳) یہاں مظہر سے مراد پر تو ہے۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ حاجی امداد اللہ کی زبانی سنئے فرماتے ہیں ”کہ حضرت شیخ ان عکوس میں معائنہ اصل کا کرتے تھے۔ پس یہ چیزیں ان کے واسطے بمنزلہ آئینہ کے تھیں۔ فرمایا کہ عورت مظہر مرد کی اور مرد حق (خدا) کا عورت آئینہ مرد کی اور مرد آئینہ حق (خدا) کا پس عورت مظہر و آئینہ حق تعالیٰ ہے اور اس میں جمال ایزی ظاہر و نمایاں ہے ملاحظہ کرنا چاہیے۔“ (شام امداد یہ حصہ دوم ص ۷۰)

اسے کہتے ہیں ماہر حسابیات $A=B$ and $B=C$ So $A=C$

عورت = خدا = مظہر مرد (عورت) = (مظہر خدا) (مرد) خدا کا مظہر = خدا
یعنی عورت کے کس کا دیدار کرنا چاہئے کیونکہ اس میں جمال ایزی (اللہ کا) نمایاں و ظاہر ہے اور پھر شیخ صاحب تو عکس میں اصل کا معائنہ کرتے تھے یعنی عورت کا کس عکس الہی ہے اس لئے عورت کے کس میں اللہ کو دیکھتے تھے کیونکہ عکس ان کے لئے بمنزلہ آئینے کے ہوتے تھے۔ چونکہ مظہر (مخلوق) جب ذات الہی کے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ یہ مظہر قبل ظہور ذات الہی میں بھی موجود تھے۔ یہی نظریہ حاجی امداد اللہ صاحب کا ہے فرماتے ہیں ”بندہ قبل وجود خود باطن خدا تھا اور خدا ظاہر بندہ کنت کمنوا مخفیا الخ اس پر دلیل ہے حقائق کو یہ کہ نتائج علم الہی ذات مطلق میں مندرج و مخفی تھے۔ صرف اپنی ذات پر ظاہر تھے۔ جب ذات نے چاہا کہ ظہور دوسری نہج پر ہوا عیان کو ان کے لباس تقابلیات میں اپنی تجلی کے جلوے سے

ظاہر فرمایا اور خود شدت ظہور سے ان کی نگاہ سے مخفی ہو گیا۔

خدا بیچ اور مخلوق درخت

مثل تم کے کہ درخت مع تمام شاخوں اور پتوں و پھل و پھول کے اس میں چھپا تھا گویا کہ تم بالفعل تھا اور شجر بالقوہ جب تم نے اپنے باطن کو ظاہر کیا خود چھپ گیا۔ جو کوئی دیکھتا ہے درخت کو دیکھتا ہے تم دکھائی نہیں دیتا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو تم بصورت درخت کے ظاہر ہوا تم بالقوہ ہوا اور درخت بالفعل۔ ہر چند کہ ایک بہ سے تم و درخت ایک ہے جدائی نہیں ہے عینیت پائی جاتی ہے لیکن دلائل غیریت و جدائی کے بھی اس میں موجود ہیں اور واقعی ہیں۔ حفظ مراتب اس میں موجود ہے کیونکہ صورت و مثل و تاثیر و خواص تم کے اور ہیں اور اجزائے درخت کے اور۔ و جو بات غیریت بھی بہت ہیں۔ (شائم امدادیہ حصہ اول ص ۳۸)

دیکھ لیا آپ نے۔ پہلے بندے کو خدا کا باطن بنا دیا اور اللہ کو بندے کا ظاہر۔ کیا یہ وہی عقیدہ نہیں جو ربوہ یوں کا ہے۔

چاچڑ و انگ مدینہ دے تے کوٹ منھن بیت اللہ

ظاہر دے و حق پیر فریدن تے باطن دے و حق اللہ

اور اس عقیدے کی کڑی مشرکین مکہ کے عقیدے سے بھی ملتی ہے۔ جس کا رد قرآن کرنا ہے۔

وجعلوا من عبادہ جزاء انہوں نے بندوں کو اللہ کا جز بنا دیا۔

اور پھر ظلم کی ابتدا دیکھئے اللہ کو بیچ سے تھپیہ دی اور مخلوق کو درخت سے اور کہہ دیا کہ درخت مع اپنی شاخوں اور پتوں و پھل و پھول کے اس (بیچ) میں چھپا تھا پھر

اس سے اٹھا کہاں گئی اللہ کی توحید اور یہ فرمان

﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ (اخلاص)

نہ اس نے کسی کو جنما اور نہ وہ کسی سے جنما گیا۔

یہاں تو انسان حیوان تمام کے تمام اللہ میں سے نکل رہے ہیں اور اللہ 'مکھ' 'بلی' 'چوہے' 'سوز' 'گدھے' 'کھوڑے' کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے۔ ﴿نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ﴾۔ کیونکہ کہتے ہیں کہ تمام بصورت درخت کے ظاہر ہوا۔ پھر ڈھٹائی کا یوں مظاہرہ کیا کہ ایک لحاظ سے درخت اور تنم عین ہیں غیر نہیں یعنی مخلوق خالق میں سے نکلی اور ایک لحاظ سے غیر کہ صورت 'شکل' و تاثیر و خواص تنم کے اور ہیں اور اجزائے درخت کے اور یعنی مخلوق کی شکل و تاثیر و خواص اور ہیں اور خالق کے اور۔

حاجی امداد اللہ صاحب عقیدہ وحدت الوجود ایک نئی مثال سے سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "عبد و رب میں عینیت (ایک ہونا) اور غیریت (مٹچھدہ ہونا) دونوں متحقق ہیں وہ ایک جہ سے اور یہ ایک جہ سے مثلاً ایک شخص اپنے ارد گرد کئی آئینے رکھ کر ملے تو ہر آئینہ میں ذات و صفات اس کی بعینہ نمودار ہو۔

نموداری صفات وہ ہیں کہ ہر حرکت و سکون مثل شادمانی و غمگینی و ہنسی و غریہ شخص عکس میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس سبب سے شخص عین عکس ہے عینیت حقیقت اصطلاحی ہے۔ اگر لغوی ہوتی تو کیفیت کہ عکس پر گزرتی۔ شخص پر گزرا بھی واجب ہوتی کیونکہ عکس ہزاروں آئینہ میں ہے۔ اس کثرت سے وحدت شخص اس سے مستضرر و متحسّس نہیں ہوتا ہے بلکہ اپنے حال پر اور ان نقصانات سے مبرا و منزه ہے اس طرح سے غیریت حقیقی اصطلاحی ثابت ہوتی ہے۔ (شائم امدادیہ حصہ اول ص ۲۸)

حاجی صاحب ایک جگہ اس عقیدے کی یوں وضاحت کرتے ہیں۔ "ایک آدمی

نے پوچھا کہ ہمہ اوست اور لاموجود کے کیا معنی۔ فرمایا دونوں مترادف ہیں جو کوئی طالب علم ہو اس کے معنی سمجھ سکتا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ جیسے مہندس نقش کسی عمارت کا ذہن میں خیال کرے اور تصور کرے۔ پس اصل میں وجود قیام عمارت کا ہوگا۔ بعدہ ورہ دیوار ظاہر ہوں گے وہ پر تو حاضری لذہن کے ہوں گے اسی طرح صفات اللہ کے ہیں۔ مثل علم و قدرت اور تمامی کائنات پر تو انہیں دو صفات کے ہیں۔ تمام مخلوق علم حق تعالیٰ میں تھی اسی کے موافق ظاہر ہوئی۔

پس یہ سب پر تو وظل علم الہی ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا کی صفات اس کی ذات سے علیحدہ نہیں ہیں۔ لامحالہ ”لاموجود الا اللہ“ ہمہ اوست پیدا ہوا ہے۔

جملہ اول فانی آخر فانی اور درمیان میں جو کچھ ظاہر ہوا محض خیال و تصور ہے۔
(ششم امدادیہ حصہ دوم ص ۵۲)

دیکھا آپ نے پہلے تمام کائنات کو علم و قدرت کا پر تو بنایا اور چونکہ یہ صفات الہی ہیں اور صفات ذات سے علیحدہ نہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ ”لاموجود الا اللہ“ (اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں) یا ہمہ اوست (سب خدا ہیں) کا نظریہ حق ہے یعنی تمام مخلوق خدا کی صفت ہے۔ اور صفت موصوف سے مجدا نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں ”عالم قدیم ہے مرتبہ ایمان میں یہ پر تو صفات الہیہ کا ہے اور صفات باری تعالیٰ کی قدیم ہیں۔“ (ششم امدادیہ حصہ اول ص ۳۸)

عبادت ساقط

صفات (عالم یعنی مخلوق) بھی قدیم ہیں اور ذات (خدا) بھی قدیم۔ ابھی تو ان کے نزدیک عابد و معبود میں فرق کرنا شرک ہے جیسا کہ حاجی امداد اللہ صاحب

فرماتے ہیں اور اس عقیدے کا اظہار حاجی امداد اللہ نے کئی جگہ کیا ہے فرماتے ہیں جب لوہے کو آگ میں ڈال کر سرخ کیا جائے اور اس وقت لوہا ”انا النار“ کہے بجا ہے یہ مرتبہ حق الیقین ہے۔ اس مرتبہ میں عبادت سا قہ ہو جاتی ہے لیکن مرتبہ ہمیشہ نہیں رہتا۔ (شام امدادیہ حصہ اول ص ۳۸)

اب دیکھئے عبادت جب سا قہ ہوتی ہے جب بندہ اللہ کے مرتبے کو چھو لے اور پھر معبود کا معبود کی عبادت کرنا عبث ہے۔ جس طرح سونا آگ میں گر کر کندن ہوتا ہے ایسے ہی بندہ مرتبہ حق الیقین پر پہنچ کر معبود بن جاتا ہے۔ حاجی امداد اللہ ایک جگہ یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿مَنْ ارَادَ أَنْ يَجْلِسَ مَعَ اللَّهِ فَالْيَجْلِسَ مَعَ أَهْلِ التَّصَوُّفِ﴾
جو اللہ کے ساتھ بیٹھنا چاہے اسے چاہئے کہ اہل تصوف کے ساتھ بیٹھے۔

(شام امدادیہ حصہ دوم ص ۳۹)

یعنی یہ اللہ ہی ہیں یا اللہ کے پر تو ہیں۔
ایک جگہ نبی ﷺ کی ایک حدیث کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

”مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ“۔ (الحلیث)

اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ

”مَنْ رَأَى فَقَدْ رَأَى اللَّهَ تَعَالَى“

جس نے مجھے دیکھا پس اس نے اللہ کو ہی دیکھا۔ (شام امدادیہ حصہ دوم ص ۳۹)

تخریف قرآن

موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ عنائے نبوت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

”انی انا ربک فاخلع نعلیک“ (الایۃ) جو طور پر آواز آئی تھی وہ موسیٰ علیہ السلام کے باطن سے آئی تھی (شام امدادیہ حصہ دوم ص ۵۹)
یعنی موسیٰ علیہ السلام ظاہر اُبتدہ اور باطن اللہ تھے۔ جیسا کہ ایک شاعر اپنے پیر کے بارے میں کہتا ہے۔

ظاہر دے وچ پیر فریدن باطن دے وچ اللہ
حاجی امداد اللہ صاحب حدیث تخلیق انسان پر یوں گویا ہوئے
”خلق اللہ آدم علی صورتہ“ (الحلیث)

نزد صوفیہ کے صورتہ کا مربع اللہ ہے۔ (شام امدادیہ حصہ دوم ص ۵۹)
یعنی مخلوق صورت خالق ہے اور رب کا یہ دعویٰ (نعوذ باللہ) جھوٹا ہے کہ
”لیس کمثلہ شی“ (الایۃ) اللہ کی مثل کوئی نہیں
مندرجہ بالا فرمودات اور اس شعر میں

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر
سوائے الفاظ کی ہیرا پھیری کے کوئی فرق نہیں۔ دیوبندی ویسے ہی بریلویوں
کے پیچھے ڈمڈالنے پھر رہے ہیں۔

حاجی صاحب نے تو یہاں تک کہہ دیا ”تاقتیک ظاہر و مظہر میں فرق پوش نظر
سالمک ہے ہوئے شرک باقی ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔
جس حالت میں کہ لوہے نے اپنے کو آگ کے سپرد کر دیا اپنے لوہے ہونے
کے خیال سے گزر کر اس انتظار میں ہے کہ آتش مستولی ہو اور اپنا رنگ عطا کرے

اس تصور میں اگر دوسرا خیال گزرے اس کے لئے شرک ہے کہ مائع مقصود تقاطع الطریق اس کا ہے۔ (شائم امدادیہ حصہ اول ص ۳۹)

اولیاء میں صفات الہی

یعنی جب وقت مراقبہ ”لا موجود الا اللہ“ کے سالک کو یہ خیال بھی گزرا کہ میرے اور معبود میں کچھ فرق ہے تو یہ شرک ہو جائے گا کیونکہ یہ مائع مقصود و تقاطع الطریق ہے۔ جس طرح لوہا آگ کا رنگ لینے اور اس میں فنا ہونے کے انتظار میں ہے۔ اسی طرح سالک اللہ میں فنا ہو کر اللہ بننے کے انتظار میں ہے۔ اسی لئے حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں ”صوفیائے اذکار اس لئے مقرر کئے ہیں کہ انسان صفات بشریہ سے نکل کر متصف بصفات اللہ ہو جائے پس کوشش کرنی چاہیے۔“ (شائم امدادیہ حصہ سوم ص ۵۵)

یعنی کوشش کرنی چاہیے رب بننے کی اور یہ ممکن بھی ہے۔ اسی لئے حاجی صاحب مولانا روم سے روایت کرتے ہیں کہ ”جب جنات کو یہ دخل ہو کہ اپنی صفات کو دوسرے میں ساری و طاری کر دیتے ہیں تو پھر اولیائے کرام کا صفات باری سے متصف ہونا کیا بعید ہے۔“ (شائم امدادیہ حصہ سوم ص ۷۷)

اور ایک جگہ اس بقعہ کو بھی دور کئے دیتے ہیں اور فرماتے ہیں ”اس لئے کہ وہ اولیاء متصف بصفات الہی ہیں۔ ان کی مخالفت (گویا) مخالفت حق ہے۔“

(شائم امدادیہ حصہ دوم ص ۷۷)

(رب بننے کی کوشش میں) بتول ان کے اولیاء کا میاب بھی ہوئے جیسا کہ حاجی امداد اللہ صاحب ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”معلوم ہوتا ہے کہ

حضرت غوث اس وقت مرتب الوہیت میں تھے اور حضرت شیخ مرتب عبودیت میں۔
(شام امدادیہ حصہ دوم ص ۴۳)

یعنی عبدالقادر جیلانی جنہیں غوث بنایا جو اللہ کی صفت ہے یعنی متصف
بصفات اللہ کے کہہ دیا یہ مرتب الوہیت میں تھے اور ان کے بندے کون تھے تو
فرمایا حضرت شیخ (مہین الدین چشتی) مرتب عبودیت میں یعنی یہ بندے تھے۔

قم باذنہ

اسی طرح ایک اور واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:- قم باذنہ قرب
نوافل ہے مرتب الوہیت میں کہ عروج ہے پیش آتا ہے جیسا کہ شمس تہریز پر گزرا۔
(شام امدادیہ حصہ دوم ص ۵۸)

اور اس کی تفصیل یوں ہے کہ جیسے عیسیٰؑ معجزے کے طور پر قم باذن اللہ کہہ
کر مردے کو زندہ کیا کرتے تھے کیونکہ ”یحییٰ و یحیت“ زندہ کرنا اور مارا اللہ کا
کام ہے۔ شمس تہریز صاحب بھی مردے کو زندہ کرنے گئے تین مرتبہ ”قم باذن
اللہ“ کہنے کے باوجود مردہ زندہ نہ ہوا تو جاہل میں آکر کہنے لگے ”قم باذنہ“ مردہ
فورا زندہ ہو گیا اللہ کے حکم سے تو زندہ نہ ہوا اور شمس تہریز کے حکم سے زندہ ہو گیا۔
رب العالمین سے بھی بڑھ گئے۔ چہی تو حاجی امداد اللہ صاحب باہر بڑی بڑی بڑی
قول ذکر کرتے ہیں۔

”ملکی اعظم من ملک اللہ“

میرا ملک اللہ کے ملک سے بڑا ہے۔

علماء دیوبند کا عقیدہ

شاید کسی کے ذہن میں یہ بات ہو کہ شاید حاجی امداد اللہ صاحب کا تو عقیدہ وحدت الوجود پر یقین ہو لیکن نام دیوبندی علماء اس عقیدے کے مخالف ہیں ان لوگوں کو بھی اپنا ذہن صاف کر لینا چاہیے کہ ان کا عقیدہ بھی اپنے پیر و مرشد کا سا ہے۔ حاجی امداد اللہ سے کسی شخص نے یہ سوال پوچھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب (مانوتوی) معتقدان وحدۃ الوجود کو ملحد و زندیق کہتے ہیں اور ان کے مرید مولوی احمد حسن کا بھی یہی نظریہ ہے۔ اسی طرح مولوی رشید احمد (گنگوہی) و مولوی محمد یعقوب اسی مسلک پر ہیں۔ (شام امدادیہ حصہ سوم ص ۹۷)

اب حاجی امداد اللہ صاحب کا جواب سننے فرماتے ہیں ”مسئلہ وحدۃ الوجود حق و صحیح ہے اس مسئلہ میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ فقیر و مشائخ فقیر اور جن لوگوں نے فقیر سے بیعت کی ہے سب کا اعتقاد یہی ہے۔ مولوی محمد قاسم صاحب، مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی احمد حسن صاحب وغیرہم فقیر کے عزیز ہیں اور فقیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ کبھی خلاف اعتقادات فقیر و خلاف مشائخ طریق خود مسلک اختیار نہ کریں گے۔ (شام امدادیہ حصہ اول ص ۳۲)

شاید کوئی یہ سوچے کہ مرید اس مسئلہ کو ملحدیت اور زندہ بقیہ کہہ رہے ہیں اور پھر اس کو اسلام کہہ رہے ہیں یہ تو پیر و مرید کا واضح تضاد ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں جس وحدت الوجود کو مریدان ملحدیت اور زندہ بقیہ سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ پیر بھی ان کے ہمنوا ہیں جیسا کہ حاجی صاحب اس کی تشریح یوں کرتے ہیں۔ ”جاننا چاہیے کہ عبد و رب میں عینیت حقیقی لغوی کا جو اعتقاد رکھے اور غیریت کا مجموعہ وجود

انکار کرے ملحد و زندیق ہے۔ (شائم امدادیہ حصہ سوم ص ۹۷)

عینیت حقیقی لغوی کفر ہے اور عینیت حقیقی اصطلاحی اسلام ہے۔

ویسے اگر کہیں اور جگہ آپ کو پیر امداد اللہ صاحب اور خلائے دیوبند میں اختلاف نظر آئے تو آپ ان کے اقوال میں تطبیق دے دیں۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حاجی امداد اللہ صاحب کا یہ بیان کہ مسئلہ وحدۃ الوجود میں یہ مریدان میرے ہم خیال ہیں، بالکل درست ہے اور مریدان نے تقیہ کیا ہے جس کی تلقین خاص کر اس مسئلہ وحدۃ الوجود میں خود حاجی امداد اللہ صاحب نے کی ہے۔ فرماتے ہیں ”یہ مسئلہ وحدۃ الوجود ایسا نہیں ہے بلکہ اس میں تصدیق قلبی و یقین و زبان رو کے رکھنا واجب ہے۔ (شائم امدادیہ حصہ سوم ص ۹۷)

سوچئے اگر یہ اسلام ہے تو اس کی تبلیغ (بلغوا فیہ ولو آتت)..... الحدیث (تو ہم پر فرض ہے کیونکہ کسی کو ایک مسئلہ بھی آتا ہو۔ اس کو پہنچانا تبلیغ کرنا اس پر فرض ہے نہ کہ زبان کو رو کے رکھنا واجب ہے۔ کیا یہ ارشاد نبی کا نہیں ہے۔

”ما من رجل یحفظ علماً فیکتمہ الا اتی بہ یوم القیمة ملجماً

بلجام من النار“ (ابوداؤد ص ۲۳)

جس عالم نے علم کو چھپایا قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام پہنا کر لایا جائے گا۔

کیا اللہ تعالیٰ نے حق چھپانے کی عادت یہودیوں کی بیان نہیں کی۔

تکتم الحق وانتم تعلمون۔

تمہیں علم بھی ہوتا ہے اور تم حق کو چھپاتے ہو۔

کیا مسئلہ وحدت الوجود حق نہیں کہ اس کا چھپانا اور زبان رو کے رکھنا واجب ہے۔ حالانکہ ان کے نزدیک بھی یہ مسئلہ واقعی حق ہے لیکن ان کے ہاں بعض مسائل کو بیان کرنا کفر ہے جیسا کہ حاجی صاحب فرماتے ہیں۔

”من صرح بأسرار الربوبية فقد كفر“

جس نے اسرار ربوبیت بیان کئے اس نے کفر کیا۔

فرمایا کہ چھپانا اس کا لازم ہے اور انشاء اسکا ناجائز ہے۔ (شائم امدادیہ حصہ اول ص ۳۲)
سوچئے اگر یہ مسئلہ حق ہے تو حق کو چھپانے کی کیا وجہ ہے۔ حاجی صاحب اس کا فائدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اسباب ثبوت اس مسئلہ کے بہت مازک اور دقیق ہیں۔ فہم عوام بلکہ فہم علمائے ظاہر کہ اصطلاح عرفاء سے عاری ہیں اس کے اور آک کی قوت نہیں رکھتے۔

(شائم امدادیہ حصہ اول ص ۳۲)

سوچئے اللہ کے رسول تو فرماتے ہیں ”الدين يسر“ دین آسان ہے یہاں عوام تو عوام علمائے ظاہر بھی اس کے اور آک کی قوت نہیں رکھتے۔ کیا یہ نظریہ اس نعمت کا حصہ نہیں جس کو اللہ نے مکمل کر کے فرمایا۔

﴿اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي﴾

آج میں نے دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا۔

حالانکہ یہ اس نظریے کو اس نعمت کا حصہ تو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ خاص نعمت تندرست لوگوں کے لئے ہے جیسا کہ فرماتے ہیں ”ہر چند نعمت خوش کوار ہو سچ و تندرست کو اس سے لذت و طاوت حاصل ہوتی ہے اور مریمینوں کو تلخ ماکوار لگتی ہے بلکہ ان کے لئے زہر قاتل ہے۔ (شائم امدادیہ حصہ اول ص ۳۲)

یعنی دین کا یہ حصہ (مسئلہ وحدت الوجود) صرف صوفیاء کے لئے ہے۔ وہی

تندرست ہیں وہی اس نعمت کو استعمال کر سکتے ہیں باقی تمام لوگوں کے لئے یہ نظریہ زہر قاتل ہے۔

یہ مسئلہ اتنا پیڑھا ہے کہ یہ تو ان کو سمجھ نہیں آتا۔ اسی لئے فرماتے ہیں ”اگر انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور نظر تعمق سے اس مسئلہ کی حقیقت دریافت کریں سوائے حیرت و حیرت بدوں فنا و فنا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پھر بھلا خاک بیان کریں کہ ایسا ہے یا ویسا ہے۔ (شام الہدایہ حصہ اول ص ۳۲)

ایسا دقیق مسئلہ انبیاء اپنی امت کو اور اللہ کے رسول محمد ﷺ صحابہ کو کیسے سمجھا سکتے تھے۔ اسی لئے ملامہ محمد فضل حق خیر آبادی لکھتے ہیں اگر انبیاء وحدت الوجود کی دعوت دیتے تو ان کی رسالت کا فائدہ فوت ہو جاتا۔

ابن عربی اور وحدۃ الوجود

وہ اس اعتراض سے یوں جان چھڑواتے ہیں کہ اس نظریے کی تبلیغ اللہ نے نبیؐ کے ذمے اور نبیؐ نے یہ خدمت ابن عربی کے سپرد کر دی۔ چنانچہ ابن عربی لکھتا ہے کہ ”جو کچھ میں نے ”فصوص الحکم“ میں لکھا ہے یہ سب کچھ میں نے منامی کشف کے ذریعے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ نے مجھے فرمایا:

هذا كتاب فصوص الحکم خذہ و اخرج بہ الی الناس یتفعون بہ
(فصوص الحکم ص ۲۸)

ترجمہ: یہ کتاب فصوص الحکم ہے تم اسے لے جاؤ تاکہ وہ لوگ اس سے خوب فائدہ اٹھائیں

اب یہ کتاب عقیدہ وحدت الوجود سے بھری پڑی ہے۔ جس سے فائدہ اٹھانے

کے لئے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا۔

سوچئے جس نظریے کی اشاعت عہد صحابہ میں تو گمراہی کا سبب بن رہی تھی مگر اب وہی گمراہی ابن عربی کے عہد میں نبوی حکم کے ذریعے ایمان کی اعلیٰ تکمیل کا باعث بن رہی ہے اور جس نظریے کی اشاعت سے (عہد صحابہ میں بھی) رسالت کا مقصد فوت ہو جاتا۔ ساتویں صدی کے بعد اس کی وہ کوئی ضرورت تھی کہ اس نظریے کو عوام و خواص میں بطور عقیدہ پھیلا دیا گیا۔ اسی طرح جس نظریے کو نبی اکرمؐ سمجھانے اور صحابہ اکرامؓ سمجھنے سے قاصر رہے اب کون مانی کا لال نبی کے بعد ایسا پیدا ہوا جس نے اس نظریے کو سمجھایا اور لوگوں نے سمجھ بھی لیا۔

ان کے بقول ابن عربی نے سمجھایا اور خاص خاص صوفیاء نے سمجھا۔ باقی سب جاہل ہیں۔ اسی لئے حاجی صاحب فرماتے ہیں مائل کو ہماری کتاب دیکھنا حرام ہے۔ (شائم امدادیہ حصہ اول ص ۳۵)

یہ عقیدہ عوام کے ذہنوں کی سطح سے بلند ہے اس لئے ان حضرات کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ لوگوں کی ذہنی سطح کو سامنے رکھ کر گفتگو کریں۔ (الروض المجہد از خیر آبادی ص ۴۴)

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ نظر یہ وحدت الوجود انبیاء پر مازل ہو پھر انہوں نے اس نظریے کی تبلیغ اس لئے نہیں کی کہ یہ ان کے اصحاب کے ذہنوں سے بلند تھا اور ان کے زمانے میں گمراہی کا سبب بنتا اور رسالت کا مقصد فوت ہو جاتا۔ اس طرح اور انبیاء اور محمد ﷺ (نعوذ باللہ) خائن بن گئے اور رسول بھی نہ رہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الرِّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَةَ﴾

اے رسول پہنچا دے جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر مازل کیا گیا ہے۔ اگر تو نے یہ کام نہ کیا تو تو نے رسالت کو نہیں پہنچایا۔
 اسی لئے حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ اللہ کے رسول نے کچھ چھپایا ہے وہ نبیؐ پر بہتان باندھتا ہے۔ (بخاری)
 اور (نعوذ باللہ) یہ آیت بھی محمد ﷺ کے مخالف پر ترقی ہے۔
 جس میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ﴾
 بے شک جو واضح دلائل اور ہدایت کو چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ ہم نے اس کو لوگوں کے لئے کتاب میں بیان کر دیا ان لوگوں پر اللہ کی لعنت اور لعنت کرنے والوں کی بھی لعنت۔

اب بتول ان کے یہ نظریہ اللہ نے اتارا اور یہ ہدای میں سے ہے اور اللہ کے رسول نے اس کی تبلیغ نہ کی۔ یہ تو نبوت و رسالت پر ڈاک زنی مفتی ہے۔ (نعوذ باللہ)
 اسی طرح علماء دیوبند اس نظریے کے قائل ہیں جیسا کہ مولانا نور شاہ جو دیوبند کے مشہور ترین علماء میں سے ہیں حدیث فکنت سمعہ الذی یسمع بہ کے تحت لکھتے ہیں۔

”قلبت و هذا عدول عن حق الالفاظ لان قوله كنت سمعہ الذی بصیغة المتکلم یدل علی انه لم یبق من المتقرب بالنوافل الا بجسده و شبهہ و صار المتصرف فیہ الحضرة الہیة فسحب و هذا الذی عنہ الصوفیة بالفنای فی اللہ تعالیٰ ای الانسلاخ عن

دواعی نفسہ حتی لا یكون المتصرف فیہ الا هو وفی الحدیث لمعة الہی و وحدة الوجود و کان مشائخنا مولعون بتلک المسئلة الہی زمن الشاہ عبد العزیز اما انا لست بمتشدد فیہا۔ (فیض الباری ج ۳ ص ۴۳۸)

كنت سمعة الذی کے یہ معنی بیان کرنا کہ بندہ کے کان آنکھ وغیرہ اعضائے حکم الہی کی مافرمانی نہیں کرتے حق الفاظ سے عدول کرنا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے قول كنت سمعة الذی میں كنت صیغہ متکلم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مقرب بالوائیل یعنی بندہ میں سوائے جسد و صورت کے کوئی چیز باقی ہی نہیں رہی اور اس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی متصرف ہے اور یہی وہ معنی ہیں جن کو صوفیاء کرام فتانی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی بندہ کا دواعی نفس سے بالکل پاک ہو جانا۔ یہاں تک کہ اس بندہ میں اللہ کے سوا کوئی شے متصرف نہ رہے اور حدیث مذکور میں وحدت الوجود کی طرف چمکتا ہوا اشارہ ہے۔ ہمارے مشائخ شاہ عبد العزیز صاحب کے زمانے تک اس مسئلہ وحدت الوجود میں بڑے متشدد اور حریص تھے لیکن میں متشدد نہیں ہوں۔

مولانا زکریا اور وحدة الوجود

(۲) اسی طرح دیوبندی عالم مولانا زکریا صاحب اپنی کتاب میں علامہ عبد الوہاب شعرانی کا قول نقل کرتے ہیں ”جاننا چاہیے کہ بندہ کا اپنی حد سے تجاوز کرنے کا باعث یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صورت پر پیدا کیا گیا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ تمام صفات جلالیہ، تکبر، بزرگی، عزت و عظمت، شوکت و جلالت سے موصوف ہے تو اس کی صورت (انسان) میں بھی یہ امور ظنی طور پر سرایت کئے ہوئے ہیں۔ (ام الامراض ص ۷)

یعنی انسان اللہ کی ہی صورت ہے اور یہی عقیدہ وحدت الوجود کی بنیاد ہے۔

(۳) مولانا زکریا صاحب فضائل صدقات میں اس سے واضح الفاظ میں عقیدہ

وحدت الوجود کا اظہار کرتے ہیں۔ ”اں جگہ دو واقعے اپنے اکابر کے نمونے کے لئے لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ ایک تو وہ مکتوب گرامی جو شیخ المشائخ قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اپنے پیر و مرشد شیخ العرب والعم حضرت حاجی امدا اللہ صاحب اہل اللہ مراتب کی خدمت میں لکھا جو کاتب رشید یہ میں بھی طبع ہو چکا ہے“
(خط کے مندرجہ ذیل الفاظ ملاحظہ فرمائیں)

پس زیادہ عرض کرنا گستاخی اور شوخ چٹائی ہے۔ یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے۔ جھوٹا ہوں کچھ نہیں ہوں تیرا ہی ظل ہے تیرا ہی وجود ہے۔ میں کیا ہوں کچھ نہیں ہوں اور وہ جو میں ہوں وہ تو ہے اور میں اور تو خود شرک در شرک ہے۔

﴿استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ ولا حول ولا قوة الا باللہ﴾
(نفاذ صدقات حصہ دوم ص ۵۵۶)

ان الفاظ پر غور کریں تیرا ہی ظل تیرا ہی وجود جو میں وہ تو میں اور تو خود شرک در شرک۔ کیا اں سے بڑا کفر بھی کوئی ہے۔

۱۔ اسی طرح تعلیم الاسلام کے خفی مصنف مسئلہ وحدۃ الوجود کو یوں بیان فرماتے ہیں:

”علم تصوف کا ایک نہایت باریک مسئلہ وحدت الوجود یا ہمہ اوست ہے یعنی تمام موجودات کو حق اللہ تعالیٰ کا وجود سمجھنا اور وجود ماسوا کو محض معتبر سمجھنا شمار کرنا جیسے موجِ حباب قطرہ اور برف کو پانی خیال کرنا چنانچہ مولانا جامی فرماتے ہیں۔

ليس في الكائنات غيرك شيء انت شمس الضحى وغيرك في
فئة چه باشد بدی سایہ سایہ از روشنی بدی سایہ

وہ جہاں سایہ است و معنی تو نیست موجود صورتے بے تو
ترجمہ: کائنات میں تیرے سوا کچھ نہیں۔ تو سورج ہے باقی فنی ہے۔
فنی کیا ہے فانی میں سایہ ہے۔ سایہ روشنی سے سب کچھ لیتا ہے۔
وہ جہاں سایہ ہے نور صرف تو ہے۔ سایہ کے لئے ظہور کی وجہ تو ہے۔
یہ وہ سب کچھ صورتیں ہیں معنی تو ہے۔ کوئی صورت تیرے بغیر نہیں ہے۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لا موجود الا اللہ کا قول درست ہے جیسا کہ
مذکورہ بالا اشعار سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا
کوئی چیز موجود نہیں۔ (ص ۵۵۲)

۲۔ امیر شاہ خان صاحب مولانا گنگوہی سے بیان کرتے ہیں کہ ”عبد اللہ خان
نے ایک روز شاہ عبد الرحیم صاحب سے عرض کیا کہ میں نے آپ کی اور سید صاحب
کی نسبتوں کی طرف توجہ کی تو آپ کی نسبت میں نور و چمک معلوم ہوئی اور سید صاحب
کی نسبت میں اندھیرا۔ اور یہ بات بیان فرما کر مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ بھائی ہم
تو کچھ جانتے نہیں مگر جب حاجی صاحب کے یہاں اس قصے کا ذکر آیا تو حاجی
صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب کی نسبت میں ذاتِ حق کی تجلی تھی اور ذاتِ حق
کی تجلی میں اندھیرا ہی ہوتا ہے۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۱۸۵)
ذاتِ حق ذاتِ الہی کو کہتے ہیں یعنی ”ذاتِ الہی کی تجلی“ اور بقول حاجی
امداد اللہ صاحب ”تجلی ذاتی سیاد ہوتی ہے۔ (شائم امدادیہ ص ۶۳)

شاہ عبد القادر اور وحدۃ الوجود

ایک اور واقعہ امیر شاہ خان صاحب کی زبانی اور سن لیں تاکہ مسئلہ اچھی طرح
واضح ہو جائے ”مولوی عبد القیوم صاحب مولوی محمود پھلتی مولوی انلم علی صاحب

فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں کسی شخص پر جس آیا۔ اس کے قرابت دار اس کو شاہ عبدالعزیز صاحب شاہ غلام علی صاحب اور دوسرے بزرگوں کے پاس لے گئے اور سب نے جہاز پھونک گئے تعویذ دیئے مگر کچھ افاقہ نہ ہوا اتفاق سے شاہ عبدالقادر صاحب اس وقت دہلی میں تشریف نہ رکھتے تھے۔ جب شاہ صاحب تشریف لائے تو ان کی طرف رجوع کیا۔ شاہ صاحب نے جہاز دیا تو اس وقت اچھا ہو گیا۔ جب شاہ عبدالعزیز صاحب نے دریافت فرمایا کہ کسی خاص ترکیب سے انہوں نے کہا ترکیب کوئی نہیں فقط یا جبار کی شان میں پڑھ دی تھی۔ (میں نے خان صاحب سے اس جملہ کا مطلب پوچھا انہوں نے فرمایا کہ مطلب میں بھی نہیں سمجھا۔ راویوں نے یہی الفاظ فرمائے تھے) اب مولانا اشرف علی تھانوی کا حاشیہ پڑھئے۔

(حاشیہ حکایت)

قول مطلب میں بھی نہیں سمجھا۔ قول اقر کے ذہن میں جو بے تکلف مطلب آیا اس کو یہ سبیل احتیاط عرض کرنا ہوں کہ کالمین میں ایک درجہ ہے ابو الوقت کہ وہ جس وقت تجلی کو چاہیں اپنے اوپر وارد کر لیں۔ کذا سمعت مرشدی پس عجب نہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے اس وقت اپنے پر جبار کی تجلی کو وارد کیا ہو اور اس کی مظہریت کی حیثیت سے اس کو توجہ سے دفع فرما دیا ہو۔ (ارواح ثلاثہ ص ۶۸)

دیکھا آپ نے جبار (لہ) کی تجلی کو اپنے اوپر وارد کر لیا ان دیوبندی علماء کے لئے کتنا آسان ہے کہ جس وقت چاہیں تجلی وارد کر لیں اور بقول حاجی امداد اللہ اولیاء اللہ کا متصف صفات اللہ ہونا ممکن ہے۔

تبلیغی جماعت اور وحدۃ الوجود

اور اس تالاب میں سب دیوبندی نئے ہیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب (جن کی

تعریف زکریا صاحب نے اپنی کتاب آپ جیٹا نمبر ۷ پر ان الفاظ میں کی ہے کہ حاجی صاحب عالم گر تھے۔ (ص ۱۵۳) کے بقول عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں زکریا صاحب کے خاندان میں سے ایک بزرگ محمد ساجد صاحب کے پیر کا نام حضرت شہاد عبد الرسول بیجاپوری انبالوی تھا جن سے یہ بیعت ہی نہ تھے بلکہ انہیں والہانہ محبت بھی تھی۔ (ماہنامہ الفرقان ص ۶۶) شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب نمبر)

اور مولانا منظور نعمانی جن کی تحریر پڑھنے کی تاکید تبلیغی عالم مولانا امیر امیم احمد صاحب مظاہری صدر مرکزی جمعۃ العلماء نے بھی کی ہے۔ (تبلیغ کی ضرورت ص ۹) نے شہاد عبد الرسول کو بقول مولانا محمد میاں مشہور اولیاء اللہ میں شمار کیا ہے۔ (شیخ الحدیث نمبر ص ۶۶) اسی طرح مشہور وحدت الوجود یہ منصور کے بارے میں زکریا صاحب فرماتے ہیں

دی گئی منصور کو پھانسی ادب کے ترک پر

تھا انا الحق - حق مگر اک لفظ گستاخانہ تھا

(ولی کامل از مفتی عمر الرحمن ص ۲۳۹)

ایک جگہ زکریا صاحب وحدت الوجود کو تصوف کا ابتدائی دور قرار دیتے ہیں۔

(ذکر و احکام کی اہمیت ص ۹۵)

تو دوسری جگہ اپنے مرید کو سمجھاتے ہیں کہ اب تو پورے تصوف کی زور سے دعوت دینے اور عمل کرنے کے لئے فضا سازگار ہو گئی ہے۔

(ذکر و احکام کی اہمیت ص ۹۹)

یعنی ابتدائی دور بھی اس میں شامل ہو۔

ایک جگہ زکریا صاحب وحدت الوجود کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

حق سبحانہ و تقدس جو حقیقتاً ہر جمال و حسن کا منبع ہیں اور حقیقتاً دنیا میں کوئی بھی

جمال ان کے علاوہ نہیں ہے۔ (تبلیغی لہاب، نفاذ قرآن ص ۳۰۰)

یعنی ہر جمال وہی اللہ ہے۔

اسی طرح زکریا صاحب کے مرید خاص صوفی اقبال (مدینہ منورہ۔ جن کی کتابوں کی تعریف خود زکریا صاحب نے بھی کی ہے فرماتے ہیں۔
عشق و معشوق عاشق اک کہہ کر سر وحدت سمجھا دیا کس نے (محبت ص ۷۰)

اللہ پر زنا کی تہمت

نظر یہ وحدت الوجود میں ڈوبا ہوا ایک قصہ۔ پڑھینے ہوئے تذکرۃ الرشید میں ص ۲۳۲ پر پیر جیو محمد جعفر صاحب ساڈھوری بیان کرتے ہیں۔ تذکرۃ الرشید ۲۳۲ جلد نمبر ۲ ایک روز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب زید مجدد نے دریافت کیا کہ حضرت یہ حافظ لطافت علی عرف حافظ مینڈھوش پوری کیسے شخص تھے حضرت نے فرمایا ”پکا کافر تھا“ اور اس کے بعد مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ ”ضامن علی جلال آبادی تو تو حیدری میں غرق تھے“

ایک بار ارشاد فرمایا کہ ضامن علی جلال آبادی کی سہارنپور میں بہت رملیاں مرید تھیں ایک بار یہ سہارنپور میں کسی رملی کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے سب مرید نیاں اپنے میاں صاحب کی زیارت کیلئے حاضر ہوئیں مگر ایک رملی نہیں آئی میاں صاحب بولے کہ فلاں کیوں نہیں آئی رملیوں نے جواب دیا میاں صاحب ہم نے اس سے بہتیرا کہا کہ چل میاں صاحب کی زیارت کو اس نے کہا میں بہت گناہگار ہوں اور بہت روسیاد ہوں میاں صاحب کو کیا منہ دکھاؤں میں زیارت کے قابل نہیں میاں صاحب نے کہا نہیں جی تم اسے ہمارے پاس ضرور لانا چنانچہ رملیاں اسے لیکر آئیں جب وہ سامنے آئی تو میاں صاحب نے پوچھا بی تم کیوں نہیں آئی تھیں؟ اس نے کہا حضرت روسیا ہی کی وجہ سے زیارت کو آئی ہوئی شرماتی

ہوں۔ میاں صاحب بولے بی تم شرماتی کیوں ہو کرنے والا کون اور کرانے والا کون وہ تو وہی ہے رنڈی یہ سکر آگ ہو گئی اور خفا ہو کر کہا لا حول ولا قوۃ اگرچہ میں روسیاد و گنہگار ہوں مگر ایسے پیر کے منہ پر پیٹاب بھی نہیں کرتی۔ میاں صاحب تو شرمندہ ہو کر سرنگوں رہ گئے اور وہ اٹھ کر چل دی۔ (الہیچہ محمد جعفر صاحب ساڈھوری)

استغفر اللہ من هذه الخرافات الکفریة۔

یہ ہے وحدت الوجود کا عروج۔ چلیں ہم یہ اعتراض نہیں کرتے کہ رنڈیاں ان کی مرید اور وہ ان کے پیر رنڈیاں ان کی زیارت کو آئیں اور وہ رنڈیوں کے گھر قیام کریں۔ ہمیں اعتراض تو یہ ہے کہ آج تک مختلف امتوں نے اپنے انبیاء پر تو شراب خوری و بدکاری کا بہتان باندھا تھا لیکن اپنے رب کے بارے میں کسی کی زبان سے ایسی بات نہیں نکلی تھی۔

لیکن یہاں تو ضامن علی جاہل آبادی جو توحید (وحدت الوجود) میں غرق تھے اس نے نعوذ باللہ زنا کرنا والا اور کروانے والا اور جس کے حکم سے زنا ہو رہا ہے اللہ کو قرار دیا۔ (نعوذ باللہ من هذا الکفر) نقل کفر کفر نباشد۔

یہ ہے دیوبندیوں کی اصل توحید۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی میں اپنی معروضات کا اختتام کرتا ہوں۔

اور مجھے قوی امید ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر ایک اہلحدیث یہ سوچنے پر ضرور مجبور ہوگا کہ جب جرم بریلویوں اور دیوبندیوں کا ایک سا ہے تو پھر ان سے ملوک روارکھنے میں امتیاز کیوں!

ان کے پیچھے نماز ادا کرنا اور رشتہ نامہ کرنا بھی ویسے ہی غلط ہے، جیسے بریلویوں سے اور ایک دیوبندی اس کتاب کو پڑھ کر یہ فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں ہوگا کہ علماء

دیوبند کے عقائد میں شرک کی ملاوٹ وافر مقدار میں موجود ہے۔
لہذا ان کے ساتھ ایک موجد کا چلنا ناممکن ہے اور اسے قرآن و سنت کا راستہ
اختیار کرنے میں ذرا دقت پیش نہ آئے گی۔ اللہ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔
آمین۔